۱۷۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بگرامی خدمت جناب مولانا ... صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوں گے!

ہمارے ہاں دارالافتاء میں "مشاجرات صحابہ" کے بارے میں ایک مفصل سوال آیا تھا۔ ابتداءً تو بحث کے خطرناک ہونے کے ساتھ ساتھ غیر ضروری ہونے کی بنا پر اس کو چنداں قابلِ اعتناء نہ سمجھا گیا کہ آخر اس دور میں اس مسئلے کو چھیڑنے کی کیا ضرورت تھی؟ لیکن غور کرنے سے معاملہ برعکس معلوم ہوا۔ اور رائے یہ ہوئی کہ اگرچہ بحث چھیڑنا بلاوجہ تھا، لیکن اب بحث چھڑنے کے بعد اس کے بارے میں سکوت و بے توجہی یا نیم دلانہ سرسری توجہ خطرناک ہے۔ اس کی کئی وجوہ ہیں۔

(۱) اس جیسے نازک مسئلے میں سلامتی کا راستہ یہ تھا کہ جو کچھ سلف اور متکلمین نے لکھ دیا ہے اسی پر اکتفاء کیا جاتا۔ مزید تدقیق و موشگافیوں کی ضرورت نہ تھی، لیکن سائل نے بحث کو نئے رنگ اور نئی اصطلاحات میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے جو سلف و متکلمین کے ہاں رائج نہ تھیں۔ مثلاً ایک رائے کو "اصل مذہب" اور "عزیمت" قرار دیا ہے اور دوسری کو "رخصت" اور "مخلص" قرار دیا ہے۔ ایسے ہی خطائے اجتہادی محض کا بیان اور آخری حد ہے، عقیدہ نہیں، وغیرہ۔ اس جیسی نئی اصطلاحات کا اختراع "بدیع من القول" ہے جو کہ عموماً عقائد میں تو خطرناک ہوتا ہی ہے خصوصاً اس جیسے نازک مسئلے میں تو بہت ہی خطرناک ہے۔ اس کی حوصلہ شکنی ضروری تھی۔

(۲) سوال میں طارق کا موقف اس انداز سے پیش کیا گیا ہے جس سے بظاہر تعظیم صحابہ کا پہلو زیادہ نمایاں نظر آتا ہے، اس لیے اندیشہ تھا کہ سرسری نظر میں اسی موقف کو اولیٰ اور مسلک اہل سنت سے اوفق قرار دیا جائے گا۔ حالانکہ اہل سنت کا موقف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تصویب اور ان کے مقابلین کی تخطئہ ہے۔ جیسا کہ استفتاء کے جواب اور اس کے ضمیمے میں ذکر کی ہوئی عبارات سے بالکل واضح ہے، اس بنا پر بھی جمہور کے موقف کی وضاحت و تنقیح نہایت ضروری تھی۔

(۳) "طارق" نے اس مسئلے میں ائمہ اربعہ اور ان کے مقلدین کی تفریق کر دی ہے کہ ائمہ اربعہ کفِ لسان اور سکوت کے قائل ہیں اور ان کے بعض مقلدین تصویب و تخطئہ کے۔ یہ بڑی غلط فہمی ہے [illegible]۔ جیسا کہ استفتاء کے ضمن الجواب کے ص ۱۳ پر ذکر کی گئی ہے

Scanned by CamScanner

مفصل جواب مرتب کیا گیا اور احتیاطاً کچھ حضرات علمائے کرام دامت برکاتہم کی نظرثانی کے لئے بھی ارسال کو بھیجا گیا، یہ الجھی ہوئی بحث کو سلجھانے اور مزید پیچیدگی سے بچانے کی حقیر کوشش تھی لیکن بعد میں بعض ذرائع سے علم ہوا کہ بعض ارباب فتویٰ دامت برکاتہم نے اجلہ اکابر کی رائے کو احوط واسلم واولیٰ قرار دیا ہے جو احقر کی رائے میں انتہائی خطرناک ہے۔ اس سے اہل سنت کا ایک طے شدہ موقف داغدار ہوتا ہے۔

احقر نے مذکورہ استفتاء کا جو جواب مرتب کیا تھا وہ بمع استفتاء کے منسلک عریضہ ہے۔ اس کے علاوہ چند صفحات کا ضمیمہ ہمرشتہ عریضہ ہے جس میں اس موقف کے مزید دلائل جمع کئے ہیں جو استفتاء کے جواب میں اختیار کیا گیا تھا۔ جناب والا سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ ان صفحات کا مطالعہ فرما کر اپنی تفصیلی رائے سے مطلع فرمائیں۔

والسلام

آپ کا خادم

احقر محمد [signature] عفی عنہ

۲۶-۱-۱۴۲۳ھ

دارالافتاء جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد

اطلاع: یہ مسودہ واپس فرمانے کی ضرورت نہیں
اور جواب بھیجا جا چکا ہے

مشاجرات صحابہ کے بارے میں صحیح موقف کیا ہونا چاہیئے ایک استفتاء

سوال کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین اس بارے میں کہ خالد اور طارق مثلاً دونوں سنی ہونے کے مدعی ہیں لیکن مشاجراتِ صحابہ رضؓ سے متعلق ان دونوں کا نظریہ ایک دوسرے سے مختلف ہے، ہر ایک اپنے نظریے کو ہی اہل السنۃ کا اصل مذہب اور راجح مسلک قرار دیتا ہے۔ لہذا رہنمائی فرمائی جائے کہ خالد اور طارق کے درج ذیل دونوں نظریوں میں سے اہل السنۃ کا اصل مذہب اور راجح مسلک کون سا ہے؟

(۱) خالد کہتا ہے کہ مشاجراتِ صحابہ رضؓ کے بارے میں اہل السنۃ کا اصل مذہب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تخطئہ اور تصویب ہے یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مجتہد مصیب اور اصحاب جمل و صفین رضی اللہ عنہم کو مجتہدین مخطئین ماننا اور کہنا ہے۔ یہی قوی ترین، راجح ترین اور مقبول ترین مذہب ہے، اس کے بالمقابل اس معاملہ میں سکوت و توقف نہ تو اہل السنۃ کا اصل مذہب ہے اور نہ ہی یہ قوی ترین اور پسندیدہ ہے بلکہ یہ کمزور ترین مسلک ہے، اسی لئے جمہور اہل السنۃ نے اسے اختیار نہیں کیا۔

اور اس پر دلیل وہ یہ دیتا ہے کہ اکابر اہل السنۃ نے ہمیشہ صحابہ رضؓ کا یہ تخطئہ و تصویب کیا اور بالتصریح اسی کو اہل السنۃ کا مذہب و عقیدہ بتایا ہے چنانچہ ان کی کتابیں خطأ اجتہادی کے ذکر سے بھری پڑی ہیں۔

(۲) جبکہ طارق یہ کہتا ہے کہ اس سلسلے میں اہل السنۃ کا اصل مذہب سکوت و توقف ہے، یہی احوط، اسلم اور اقوی و احسن ہے، اسی میں مسلک سنی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں ہر طرح کی بدظنی سے حفاظت ہے۔ اس کے بالمقابل صحابہ رضؓ کا تخطئہ و تصویب اہل السنۃ کا اصل مذہب نہیں بلکہ ایک رخصت اور تخلص ہے۔ یعنی اصل تو یہی ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضؓ کی مشاجراتی اجتہادی خطأ و صواب کو بھی زبان پر نہ لایا جائے، چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی رحؒ نے حضرت عمر بن عبد العزیز رحؒ اور حضرت امام شافعی رحؒ کے فرمان "تلک دماء طہر اللہ تعالی عنہا ایدینا فلنطہر عنہا السنتنا" کا یہی مفہوم بیان فرمایا ہے کہ "بخصیص یکے و خطائے دیگرے ہم لب نیالاید شود"۔ لیکن اگر کسی وقت کسی ضرورتِ شرعیہ و شدیدہ کی وجہ سے اس موضوع پر کلام کرنا پڑ جائے تو اجتہادی خطأ و صواب سے زائد کوئی لفظ ہرگز نہ کہا جائے۔ صحابہ رضؓ کا یہ تخطئہ و تصویب اہل السنۃ کا اصل مذہب نہیں کہ اس کے بغیر کوئی چارہ ہی نہ ہو بلکہ بوقتِ ضرورتِ شرعیہ و شدیدہ یہ بطور عزیمت کے مقابلہ میں ایک رخصت اور اصل مذہب کی بجائے ایک تخلص ہے، یہی وجہ ہے کہ جو اہل السنۃ صحابہ رضؓ کا یہ تخطئہ و تصویب کسی وجہ سے کرتے ہیں وہ خود بھی اس کو خطرناک، مزلۃ الاقدام، نقصان دہ

Scanned by CamScanner

اور صحابہؓ سے بدظنی کا باعث بھی قرار دیتے ہیں۔ اگر یہ اصل مذہب ہوتا تو وہ حضرات اسکو ایسا نہ کہتے۔

باقی رہا اکابر اہل السنۃ کا یہ تخطئہ و تصویب کرنا، اسکو اہل السنۃ کا مذہب و عقیدہ بتانا اور خطاء اجتہادی کے ذکر سے ان کی کتابوں کا بھرا ہوا ہونا؟

(۱) ایک تو یہ بوقتِ ضرورت ہے اور بقدرِ ضرورت ہے۔ بلا ضرورت اور زائد از ضرورت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن حضرات نے یہ کام بلا ضرورت کیا یا بقدرِ ضرورت سے تجاوز کیا ہے، محققینِ اہل السنۃ نے اس کو بنظرِ استحسان نہیں دیکھا ہے بلکہ اسکا مناسب رد کیا ہے۔

(۲) اور دوم اسمیں اہل السنۃ کے اصل مذہب کا بیان نہیں بلکہ اس بارے میں مسلکِ اہل السنۃ کی آخری حد کا بیان ہے۔ یعنی اس تخطئہ و تصویب کو اہل السنۃ کا مذہب و عقیدہ قرار دینے سے ان کی مراد یہ نہیں کہ صحابہؓ کا یہ تخطئہ و تصویب ضرور ہی کیا جائے۔ بلکہ اس سے انکا مطلب یہ ہے کہ مشاجراتِ صحابہؓ پر گفتگو کے سلسلہ میں مسلکِ اہل السنۃ کی آخری حد اجتہادی خطاء و صواب ہے۔ اگر کسی کو مجبوراً اس بارے میں کچھ کہنا ہی پڑ جائے تو بس وہ اجتہادی خطاء و صواب تک ہی کہہ سکتا ہے۔ اس سے آگے کچھ کہنا، صحابہؓ سے بدظنی کی غیر مسنی حد میں داخل ہونا ہے جو انتہائی خطرناک ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے شاہراہوں پر حدِ رفتار کے بورڈ لگے ہوتے ہیں وہ رفتار کی ابتدائی اور اصلی حد نہیں بتاتے کہ اس شاہراہ پر بالکل ہی نہ چلنا یا بورڈ پر لکھی ہوئی رفتار سے کم رفتار میں چلنا جرم ہو، بلکہ وہ بورڈ اس شاہراہ پر رفتار کی آخری حد بتاتے ہیں کہ اس حد سے تجاوز جرم ہے اسی طرح اہل السنۃ نے صحابہؓ کے تخطئہ و تصویب کو جو اہل السنۃ کا مذہب کہا ہے تو انہوں نے شاہراہِ مشاجرات پر حدِ رفتار کا بورڈ لگا کر رفتار کی آخری حد بندی کی ہے، اسکا یہ مطلب نہیں کہ اس شاہراہِ مشاجرات پر چلو بھی ضرور اور رفتار بھی ضرور یہی رکھو۔ بلکہ اسکا مطلب یہ ہے کہ اس شاہراہ پر چلنے والوں کیلئے آخری مستی حد کا رفتار یہ ہے۔ اس سے زائد رفتار کی مسلکِ اہل السنۃ میں اجازت نہیں ہے۔

(۳) اور سوم یہ کہ کتابیں جو خطاء اجتہادی بھری پڑی ہیں تو اس سے مقصود خطا کا ہونا بتانا نہیں بلکہ اسکا اجتہادی ہونا بتانا مقصود ہے۔ یعنی کتابوں میں خطاء اجتہادی کا ذکر یہ بتانے کیلئے نہیں کہ صحابہؓ سے خطا ہوئی تھی بلکہ یہ بتانے کیلئے ہے کہ وہ خطا اگر تھی تو اجتہادی تھی عنادی یا منکرہ نہ تھی۔ چنانچہ حضرت مجددؒ صاحب نے کتب القوم مشحونۃ بالخطاء الاجتہادی جو فرمایا ہے تو خطاء کو منکر کہنے والوں کے رد میں ہی فرمایا ہے نفسِ خطاء کے اثبات میں نہیں فرمایا۔

Scanned by CamScanner

(۲) خالد کہتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ تخطئہ و تصویب ہے بھی قطعی و حتمی۔ یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ مصیب ہیں تو قطعی طور پر مصیب ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جو مخطی ہیں تو قطعی طور پر ایسے مخطی ہیں کہ انکو مخطی ہی ماننے بغیر نہ کوئی چارہ ہے اور نہ اس کے سوا دوسرا کوئی صحیح راستہ۔

(د) اس کے بالمقابل طارق کا کہنا یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ تخطئہ و تصویب قطعی و حتمی نہیں ہے بلکہ محض ظنی ہے۔ یعنی بوقتِ ضرورتِ شرعیہ و شدیدہ جو انکو مصیب و مخطی کہا جاتا ہے تو محض ظناً کہا جاتا ہے، قطعاً و حتماً نہیں کہا جاتا کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ اختلاف باتفاق اہل السنۃ خالص اجتہادی تھا اور اجتہادی اختلاف میں خطاء و صواب جو کچھ بھی ہوا کرتا ہے خالص ظنی ہوا کرتا ہے قطعی و حتمی نہیں ہوا کرتا۔ لہذا یہاں بھی صواب و خطاء جو کچھ بھی ہوگی محض ظنی ہوگی قطعی و یقینی نہ ہوگی۔ جن حضرات نے اسکو قطعی و یقینی کہا ہے تو انہوں نے درحقیقت صواب و خطاء کو قطعی و یقینی نہیں کہا بلکہ اسکے اجتہادی ہونے کو قطعی و یقینی کہا ہے

(۳) خالد جن صحابہ رضی اللہ عنہم کو مخطی کہتا ہے ان کی اجتہادی خطاء کو، گناہ، یقیناً سخت نافرمانی، اللہ کے حکم کی مخالفت، قصور، از روئے نصِ قرآنی درحقیقت بالکل ناجائز اور بطورِ اصل حکم، باغی ہیں جیسے الفاظ سے بلا تکلف ذکر کر کے پھر انکی مراد خطاء اجتہادی سے بیان کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے حق میں ایسے الفاظ استعمال کرنے میں جبکہ انکی مراد خطاء اجتہادی سے بیان کردی جائے صحابہ رضی اللہ عنہم کی کچھ بھی کسرِ شان نہیں ہے۔ بلکہ یہ سب کچھ کہہ کر انکو مجتہد اور انکی خطاء کو اجتہادی کہد ینے سے ان کی عظمتِ شان بڑھتی ہے کہ انکو اسپر ایک اجر ملتا ہے۔

(د) جبکہ طارق کا کہنا یہ ہے کہ خطاء اجتہادی اور وہ بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کی خطاء اجتہادی کو ایسے نازیبا الفاظ سے تعبیر کرنا ہی سرے سے ادب و احترام کے خلاف ہے، اسمیں صحابہ رضی اللہ عنہم کی توہین و تنقیص ہے، اس کے بعد ان کی مراد خواہ کچھ بھی بیان کیوں نہ کیجائے۔ اجتہادی خطاء کو اگر کسی وجہ سے ضرور زبان پر لانا ہی ہو تو بس اسکو اجتہادی خطاء ہی کہنا چاہیئے۔ اس سے زیادہ گناہ، سخت نافرمانی اور قصور و جور جیسے ناشایان الفاظ سے اسکو تعبیر کرنا چاہیئے کہ اسمیں انکی تنقیصِ شان کا ہی پہلو نکلتا ہے۔

(۴) خالد اپنے اس طرزِ عمل کے ثبوت میں اکابر اہل السنۃ کی وہ عبارتیں پیش کرتا ہے جنمیں خطاء اجتہادی سے بڑھکر بغاوت، جور اور باطل وغیرہ جیسے الفاظ استعمال کیئے گئے ہیں اور وہاں انکی تاویل خطاء اجتہادی سے کی جاتی ہے۔

طارق کہتا ہے کہ اکابر کی ایسی تمام عبارتیں جب مؤول بخطاء اجتہادی ہو گئیں تو ایسے

الفاظ استعمال کرنے میں وہ حجت کہاں رہیں ؟ یعنی جب ان میں یہ تاویل کی ہی اس لئے گئی ہے کہ وہ اپنے ظاہر کے اعتبار سے قواعدِ اجتہاد کے موافق اور صحابہؓ کی شان کے مطابق نہ تھیں۔ تو اب انکو حجت بنا کر اپنی طرف سے دیدہ ودانستہ بلا تکلف وبلا جھجک ایسے متجاوز عن الحد الفاظ استعمال کرنا اور پھران کی وہی تاویل کرنا جو اکابر کی ایسی عبارتوں میں کی گئی تھی جائز نہیں ہو سکتا جیسے مثلاً اللہ تعالیٰ کے فرمان ۔ وعصیٰ آدم ربہ فغویٰ ۔ نیز ووجدک ضالاً فھدیٰ میں تاویل کیجاتی ہے، لیکن کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ یہی الفاظ خود اپنی طرف سے بھی استعمال کر کے پھر وہی تاویل کرنے لگ جائے جو ان آیات میں کی جاتی ہے ۔ ایسے ہی اکابر کی ایسی عبارتوں کو بھی سمجھنا چاہیئے کہ انمیں تاویل اس لئے نہیں کیجاتی کہ بعد والوں کو اس تاویل سے ویسے ہی الفاظ بلا تکلف استعمال کرنیکا جواز مل جائے ۔ بلکہ یہ تاویل انکو قواعدِ اجتہاد اور صحابہؓ کی شان کے مطابق بنانے کیلئے کیجاتی ہے اسطرح اکابر کی ایسی عبارتیں قابلِ تاویل وجواب ہوسکتی ویسے ہی الفاظ استعمال کرنے میں انکی حجت اور استدلال نہ ہوسکیں ۔

(۵) پھر خالد اکابر کی ایسی عبارتوں میں اجتہادی خطاء جیسی تاویل ان اکابر کی صفائی دینے اور انکی طرف سے معذرت کرنے کیلئے نہیں کرتا بلکہ خود صحابہؓ کی صفائی دینے اور ان کی طرف سے معذرت کرنے کیلئے کرتا ہے ۔ یعنی وہ کہتا ہے کہ اکابر نے صحابہؓ کے بارے میں خطاء اجتہادی سے زائد جو کچھ کہا ہے وہ انہوں نے بالکل صحیح کہا ہے ، مخطی صحابہؓ کا اصل حکم بیان کیا ہے ، ان صحابہؓ سے جو کچھ ظہور میں آیا اصل کے اعتبار سے وہ بغاوت وجور اور طغیان وعصیان وغیرہ ہی تھا ۔ لہذا جن اکابر اہل السنۃ نے صحابہؓ کو یہ کچھ کہا ہے انہوں نے کوئی خلافِ واقعہ بات نہیں کہی ۔ بلکہ اصل حکم اور اصل حقیقت کا اظہار کیا ہے ، لہذا صفائی دینے اور معذرت پیش کرنے کی ضرورت صحابہؓ کیطرف سے ہی تھی کہ بغاوت وجور وغیرہ وغیرہ کا ارتکاب انہوں نے ہی کیا تھا ۔ انکا اصل تو یہی تھا جو اکابر اہل السنۃ نے بیان کیا ہے ۔ مگر چونکہ وہ صحابہؓ تھے ، مجتہد تھے ، انکا اختلاف اجتہادی تھا اس لیئے ان کی بغاوت وجور اور طغیان وعصیان کی تاویل کیجائیگی ۔ تاکہ ان صحابہؓ کی عظمت مجروح نہ ہو ۔

در جبکہ طارق ، اکابر کی ایسی عبارتوں میں ایسی تاویل خود اصحابِ عبارات کی صفائی دینے اور انکی طرف سے معذرت کرنے کیلئے کرتا ہے ۔ یعنی وہ کہتا ہے کہ صحابہؓ کے جس فعل کو اکابر نے بغاوت وجور وغیرہ وغیرہ کہا ہے اصل کے اعتبار سے بھی وہ زیادہ سے زیادہ خطاء اجتہادی ہی تھا ۔ اس سے زیادہ نہ تھا لہذا جن حضرات نے اسکو اس سے زیادہ کچھ کہا ہے انہوں نے ہی حدِ استقامت وعزیمت سے تجاوز کیا ہے ۔ لہذا

صفائی دینے اور معذرت پیش کرنے کی ضرورت ان اکابر کیلئے ہی تھی کہ ایسے موہمہ خلاف مقصود الفاظ استعمال کر کے شیوۂ ارباب استقامت کے خلاف انہوں نے ہی کیا تھا۔ اگر اصحاب عبارات اکابر اہل السنۃ نہ ہوتے، اعلیٰ درجہ کے متقی اور مخلص نہ ہوتے، نیک نیت اور اہل اللہ نہ ہوتے تو ان کی ایسی عبارتوں کا حکم وہی ہوتا جو صحابہؓ کی شان کے خلاف عبارتوں کا ہوا کرتا ہے۔ مگر چونکہ وہ بلند مرتبہ مخلص و متقی اور نہایت نیک تھے اس لئے انکی ایسی عبارتوں کی تاویل کی جاتی ہے تاکہ ان کی یہ عبارتیں امر واقعہ کے مطابق ہو جائیں اور تاکہ ان پر گستاخی صحابہؓ کا الزام اور شبہ نہ آئے نیز تاکہ اکابر کی عظمت مجروح نہ ہو۔

الغرض خالد عبارات اکابر کو اصل اور مشاجراتی موقف صحابہؓ کو مؤول قرار دیتا ہے جبکہ طارق موقف صحابہؓ کو اصل اور اکابر کی عبارات کو مؤول گردانتا ہے۔

(۶) خالد حضرت معاویہؓ کو ایک جلیل القدر صحابی، مجتہد اور حضرت علیؓ سے ان کے مشاجراتی اختلاف کو اجتہادی اختلاف بھی کہتا ہے۔ اور پھر ان پر از روئے نصِ قرآنی حضرت علیؓ کے اجتہاد کی پیروی بھی لازم قرار دیتا ہے، پھر انکو یہ پیروی نہ کرنے والا بتا کر ان کے اس اجتہادی موقف کو از روئے نصِ قرآنی غلط بتاتا ہے۔

(۱) جبکہ طارق کہتا ہے کہ ہر مجتہد اپنے ہی اجتہاد کا پابند ہوتا ہے، اس پر اپنے ہی اجتہاد کے مطابق عمل کرنا لازم ہوتا ہے، کسی دوسرے مجتہد کے اجتہاد پر عمل کرنا اس کیلئے جائز نہیں ہوتا بلکہ گناہ ہوتا ہے لہذا حضرت معاویہؓ اگر مجتہد تھے اور انکا یہ اختلاف اجتہادی تھا تو پھر ان پر حضرت علیؓ کے اجتہاد کی پیروی لازم نہ تھی۔ بلکہ اپنے اجتہاد پر عمل کرنا ہی ان پر لازم تھا اور اگر وہ مجتہد نہ تھے تو پھر اختلاف اجتہادی نہ تھا بلکہ عنادی ہو جاتا ہے، لہذا یا تو انکو مجتہد اور ان کے اس اختلاف کو اجتہادی نہ کہا جائے یا ان پر حضرت علیؓ کے اجتہاد کی پیروی لازم نہ کہی جائے۔ بیک وقت دونوں باتوں میں سے کوئی ایک بات ہی صحیح ہو سکتی ہے دونوں صحیح نہیں ہو سکتیں۔

(۷) خالد کہتا ہے کہ صحابہؓ کے مشاجراتی موقف میں ضابطہ ترجیح سے کام لیکر اصحابؓ جمل و صفین بالخصوص حضرت معاویہؓ کے موقف کو غلط و خطأ اور حضرت علیؓ کے موقف کو صحیح و صواب کہنا ہی متعین اور اہل السنۃ کا راجح اور صحیح قول ہے۔ حضرت علیؓ کے ساتھ ساتھ اصحابؓ جمل و صفین بالخصوص حضرت معاویہؓ کو بھی صواب پر سمجھنا اور انمیں ان کی اجتہادی خطأ بھی تسلیم نہ کرنا جمہور اہل السنۃ کے مشہور و مقبول مسلک کے خلاف ہے۔

(ر) طارق کہتا ہے صحابہؓ کے مشاجراتی مواقف میں اصولِ اہل السنۃ اور قواعدِ اجتہاد کی پابندی کیسا تو

ترجیح دینا جائز تو ہے۔ لیکن صرف یہی طریقہ متعین نہیں ہے۔ بلکہ حسبِ ضابطہ تطبیق کو بروئے کار لاتے ہوئے ان میں تطبیق دینا اور کسی ایسی مناسب تاویل سے کہ جس میں کسی شرعی محظور کا ارتکاب لازم نہ آتا ہو، اصحابؓ جمل و صفین بالخصوص حضرت معاویہؓ کے موقف کو بھی صحیح و صواب کہہ دینا بھی بالکل جائز اور درست ہے۔ اور یہ جمہور اہل السنۃ کے مختار اور مشہور و مقبول مذہب کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے خلاف تو وہ کلی تصویب ہے جس میں خطأ کا سرے سے احتمال ہی نہ مانا جائے ورنہ اجتہاد میں احتمالِ خطأ کو مانتے ہوئے کسی مناسب تاویل سے بالفعل کسی طرف بھی خطأ کی نسبت نہ کرنا جمہور اہل السنۃ کے مختار اور مشہور و مقبول مسلک کے خلاف ہرگز نہیں ہے۔ چنانچہ ائمہ مجتہدین کے مختلف اجتہادی مواقف میں مختلف اعتبارات سے تطبیق و تصویب روز مرہ کا مشاہدہ ہے۔

(۸) خالد صحابہؓ کا بے دھڑک جو تخطئہ کرتا ہے تو ساتھ ساتھ یہ بھی تسلی دیتا ہے کہ صحابہؓ کے تخطئہ یعنی ان کی طرف خطأ اجتہادی کی نسبت کرنے میں نہ انکی کوئی بے ادبی ہے اور نہ تنقیصِ شان بلکہ اجتہادی خطأ کی وجہ سے وہ ایک گونہ ثواب کے ہی مستحق ہوتے ہیں۔

،، طارق کہتا ہے کہ صحابی یا غیر صحابی کسی بھی مجتہد کا تخطئہ اپنی ذات کے اعتبار سے تو اگرچہ اس مجتہد کی بے ادبی اور کسرِ شان نہیں لیکن مقصدِ تخطئہ اور اندازِ تخطئہ کے اعتبار سے کبھی اسمیں بے ادبی اور تنقیصِ شان کی شان آجاتی ہے۔ مثلاً مقصد اس سے اگر مجتہد کا دفاع ہو خواہ برارۃً خواہ معذرۃً تو پھر تو اسکی طرف اجتہادی خطأ کی نسبت اسکی توہین اور بے ادبی نہیں۔ لیکن مقصود اس نسبت سے اگر اس کو صرف مخطی بنانا ہی ہو تو پھر یہ نسبت اسکی بے ادبی اور تنقیصِ شان ہی ہے۔ بالفاظِ دیگر کسی مجتہد کا تخطئہ اگر برائے تبریہ ہو تو اسمیں تو اسکی بے ادبی اور تنقیصِ شان نہیں لیکن تخطئہ اگر برائے تخطئہ ہو تو اسکو بے ادبی اور تنقیصِ شان سے بالکل ہی مبرّا نہیں کیا جا سکتا۔

تخطئہ برائے تبریہ تو یہ ہے کہ کوئی شخص کسی مجتہد خصوصاً صحابی مجتہد کے اجتہادی موقف کو خطأ اجتہادی سے بڑھ کر مثلاً جور و طغیان اور بغاوت و عصیان وغیرہ وغیرہ بتانے لگا آپ نے اس مجتہد کو خصوصاً صحابی مجتہد کو ان الزامات سے براءت اور ایسا حکم لگانے والے اکابر کیطرف سے معذرت کرتے ہوئے غایۃ ما فی الباب کے طور پر اسکی طرف خطأ اجتہادی کی نسبت کر دی۔

اور تخطئہ برائے تخطئہ کہ یہ جس مجتہد کیطرف خطائے اجتہادی کی نسبت کی گئی تھی کسی نے اس کے موقف کی بھی کسی شرعی محظور کا ارتکاب کئے بغیر کوئی ایسی توضیح وتشریح کردی جس سے اس مجتہد کیطرف بھی خطائے اجتہادی کی نسبت کرنے کی ضرورت باقی نہ رہی اور اسکا اجتہادی موقف بھی اجتہادی خطا کی بجائے کسی دوسرے اعتبار سے اجتہادی صواب ہی ہوگیا تو آپ اسکی تردید پر کمربستہ ہوگئے اور اس مجتہد کو ضرور مخطی ہی بنانے پر تل گئے اور اسکے اجتہادی موقف کو خواہی نخواہی بہر صورت اجتہادی خطا ہی بنا کے دم لیا۔ اول تخطئہ تو بلاشک توہین نہیں لیکن ثانی تخطئہ ظاہر ہے کہ کسی نیک جذبہ کے تحت نہیں ہو سکتا۔۔ علی ھٰذا القیاس مختلف مجتہدین کے درمیان بوقتِ ضرورت ترجیح قائم کرنے کی غرض سے یا واقعات کی توضیح وتشریح اور مشاجرات سے متعلق نصوص کی تاویل وتوجیہ کرتے ہوئے کسی کو مصیب اور کسی کو مخطی کہہ دیا گیا تو اس حد تک تو بیشک یہ بے ادبی اور تنقیصِ شان نہیں لیکن اس ترجیح کا انداز تحقیقانہ کی بجائے تنقیدانہ اور ترجیحانہ کے بجائے اگر جارحانہ اختیار کیا گیا، خطائے اجتہادی سے بڑھکر اسے گناہ، یقیناً سمت نافرمانی، اللہ ورسول کے حکم کی مخالفت، نصوصِ قرآنیہ وحدیثیہ کی خلاف ورزی وغیرہ وغیرہ سے اسکو بیان کیا گیا تو یہ تخطئہ یقیناً اس مجتہد کی بے ادبی اور تنقیصِ شان ہی کہلائیگا۔

الغرض کسی مجتہد کیطرف خطائے اجتہادی کی نسبت کا بے ادبی اور تنقیصِ شان نہ ہونا اتنا عام اور بالکل ایسا غیر مشروط نہیں ہے کہ کسی صورت بھی اسمیں مجتہد کی بے ادبی اور تنقیصِ شان لازم نہ آتی ہو۔ بلکہ یہ بوقتِ ضرورت، بقدرِ ضرورت اور بانداز عقیدت ومحبت کیساتھ تنقید اور اجتہادی اصول وقواعد کی پابندی کے ساتھ مشروط ہے، تخطئہ مجتہد کے بے ادبی ہونے نہ ہونیکا فیصلہ تخطئہ کے محض الفاظ یعنی "خطائے اجتہادی" کی بنیاد پر ہی نہیں ہوگا۔ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ تخطئہ کرنے والے کے مقصدِ تخطئہ اور اندازِ تخطئہ کو ملحوظ رکھنا بھی ازبس ضروری ہوگا۔

" پھر طارق یہ بھی کہتا ہے کہ خالد کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ "مجتہد کو خطائے اجتہادی پر ایک اجر ملتا ہے" "وہ خطائے اجتہادی کیوجہ سے ایک گونہ اجر کا مستحق ہوتا ہے" کیونکہ مجتہد مخطی کو ایک اجر خطا پر اور خطا کیوجہ سے نہیں ملتا بلکہ اجتہاد پر اور اجتہاد کیوجہ سے ملتا ہے، خطا کیوجہ سے تو اسکا ایک اجر کم ہوتا ہے۔ لہذا تعبیر یوں ہونی چاہیئے کہ "مجتہد مخطی کو بھی اس کے اجتہاد پر ایک اجر ملتا ہے وہ بھی اجتہاد کیوجہ سے ایک اجر کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

(۹) خالد کہتا ہے کہ مشاجراتِ صحابہؓ میں ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کا مذہب بھی سکوت وتوقف نہیں بلکہ صحابہؓ کا تخطئہ وتصویب یعنی اصحابِ جملؓ وصفین کو مخطی اور حضرت علیؓ کو مصیب کہنا ہے۔ اور دلیل یہ دیتا ہے کہ ملا علی قاری حنفیؒ، ابوبکر بن عربی مالکیؒ، نووی شافعیؒ اور ابن تیمیہؒ حنبلی جیسے مقلدینِ ائمہ اربعہ، صحابہؓ کا تخطئہ وتصویب کرتے ہیں۔ اگر ان

کے ائمہ کا یہ مذہب نہ ہوتا تو وہ یہ موقف اختیار نہ کرتے، ورنہ لازم آئیگا کہ ان حضراتِ مقلدین نے اپنے ائمہ کے خلاف ایک غلط مسلک اختراع کر لیا تھا۔

،، طارق کہتا ہے کہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کا مذہب اس معاملہ میں تخطیہ و تصویب نہ تھا بلکہ سکوت و توقف ہی تھا جیسا کہ انکی اپنی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ جب ان ائمہ اربعہ سے مشاجرات کے بارے میں پوچھا گیا تو:

ا۔ امام اعظم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ”ایسے واقعات خدا تعالیٰ مجھ سے نہیں پوچھیگا اس لئے ان واقعات پر چنداں توجہ دینے کی ضرورت نہیں“ عقود الجمان ص ۳۰۵ بحوالہ امام اعظم کے حیرت انگیز واقعات ص ۴۳) نیز ملاحظہ ہو فقہ اکبر بروایت امام ابو مطیع مع شرحہ نظم الدرر ص ۹۲

ب۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ”تلک دماء طہر اللہ عنہا ایدینا فلنطہر عنہا السنتنا“ (مکتوبات مجدد الف ثانی ص ۳۴۷/۱۲۰ مترجم اردو و مقام صحابہ ص ۱۱۷)

ج۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا ”تلک امۃ قد خلت لہا ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا یعملون“ (البدایہ ج ۸ ص ۱۳۰) نیز شیخ جیلانی حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”فقد نص الامام احمد رحمہ اللہ علی الامساک عن ذالک وجمیع ما شجر بینہم“ (غنیۃ الطالبین)

د۔ امام مالک رحمہ اللہ کے ارشادات کیلئے ملاحظہ ہو ”مقام صحابہ“ ص ۱۱۷ و الصارم المسلول ص ۵۸۰ طبع ملتان وغیرہ۔

جب اپنے مذہب سے متعلق ائمہ اربعہ کی خود اپنی تصریحات موجود ہیں تو اب انکے مذہب کی تعیین انکی تصریحات سے کرنے کی بجائے ان کے متبعین فقہاء و محدثین کے مذہب سے کرنا کسی طرح بھی معقول نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ملا علی قاری، ابن عربی، نووی اور ابن تیمیہ جیسے اہل نقد و اہل نظر محققین فقہاء و محدثین کے اپنے ائمہ سے کسی مسئلہ میں اختلاف کرنے کو یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے ائمہ کے خلاف ایک غلط مسلک اختراع کر لیا تھا۔ ورنہ دنیا میں ”طبقات الفقہاء“ کا وجود نہ ہوتا۔ نیز دنیا متقدمین و متاخرین اور سلف و خلف ایسی اصطلاحات اور ان کے آپس کے فقہی اختلافات سے آشنا نہ ہوتی۔

مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے متعلق خالد و طارق کے مذکورہ بالا دونوں نظریے حضرات مفتیان کرام کے سامنے ہیں۔ براہ کرم ارشاد فرمائیں کہ:

ا۔ کیا یہ دونوں نظریے ہی (جیسا کہ خالد و طارق کا دعویٰ ہے) مسلک اہل السنۃ، قواعد اجتہاد اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان کے مطابق ہیں یا ان میں سے کوئی ایک مطابق ہے اور دوسرا مخالف؟ اگر کوئی مطابق ہے اور دوسرا مخالف تو کونسا مطابق ہے اور کونسا مخالف؟

ب۔ اور اگر دونوں ہی مطابق ہیں تو ایک ہی درجہ میں مطابق ہیں یا کم زیادہ؟ اگر کم زیادہ ہیں تو کونسا نظریہ عقیدۂ اہل السنۃ، قواعد اجتہاد اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان کے زیادہ مطابق ہے اور کونسا کم؟

بینوا توجروا

المستفتی زین العابدین خطیب جامع مسجد مؤتمر العالم الاسلامی اسلام آباد

Scanned by CamScanner

[illegible]

(۱)

باسمہ تعالیٰ

الجواب ـــــــ حامداً ومصلیاً

اللّٰہم فاطر السموات والارض اھدنی لما اختلف فیہ الی الحق

باذنک انک تھدی من تشاء الی صراط مستقیم

سوالات کے جواب سے پہلے بطور تمہید چند امور کا ملاحظہ فرمالینا ضروری ہے:

(۱) تمام سوالات کا موضوع صحابہ کے مشاجرات اور اختلافات ہیں۔ یہ موضوع انتہائی نازک اور حساس ہے۔ اسلئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی شخصیات کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے یا کچھ کہنے کے لئے شریعت نے ہمیں آزاد نہیں چھوڑا، بلکہ قرآن و سنت نے خود اس سلسلے میں واضح اصول دے کر ان کے بارے میں احتیاط کا سبق دیا ہے۔ اب ایک سلیم الفطرت، منصف المزاج انسان جب صحابہ کے باہمی اختلافات کے موضوع پر سوچنے لگتا ہے تو ایک طرف یہ محسوس کرتا ہے کہ صحابہ کرام کی شخصیات کے بارے میں شریعت کے مزاج احتیاط کی رعایت ہو، دوسری طرف یہ بھی محسوس کرتا ہے کہ جمہور سلف رحمہم اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے نظریات سے سرمو انحراف نہ ہو، اسلئے کہ صحابہ کرام کے بارے میں جس احتیاط کی تعلیم دی گئی ہے اس کا صحیح مصداق بھی وہ نظریات ہیں جو حضرات متکلمین، فقہاء، محدثین نے پیش فرمائے ہیں۔ اس سے ہٹ کر جو طریق فکر بھی اختیار کیا جائے گا اس کو صحابہ کی "طرفداری" یا "احتیاط" کا عنوان تو دیا جا سکتا ہے مگر حقیقت میں یہ صحابہ کی طرفداری یا احتیاط نہیں، بلکہ سلف پر بدگمانی اور گمراہی کا ایک راستہ ہے۔ جو اصول و قواعد میں حضور ﷺ کی دی گئی بنیادی تعلیم اتبعوا السواد الاعظم کے خلاف ہے۔ کسی شخصیت کی انفرادی رائے سے اختلاف ہو سکتا ہے مگر کسی بات کے بارے میں اہل السنۃ والجماعۃ رحمہم اللہ تعالیٰ کی کتابوں سے جو مسلمہ عقائد سمجھ میں آئے اس منہاج و مذاق سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔ اسلئے موضوع کی نزاکت کے پیش نظر درج ذیل گزارشات پر توجہ فرمانے کی درخواست ہے۔

الف: اس موضوع میں سلف کی تحقیقات سے بے نیاز ہو کر یا وضاحت [illegible] اختیار کیا جائے تو یہ موضوع سخت خطرناک اور مزلۃ الاقدام ہے۔ اور اگر سلف پر اعتماد کرتے ہوئے اتبعوا السواد الاعظم کی راہ اپنائی جائے تو نہایت سلامتی

ساتھ یہ رویہ بالکل جاری ہو سکتا ہے۔ اسلئے دیگر شواہد کی طرح اس موضوع میں بھی ان حضرات کی رائے کو ——— اس شرح صدر کے ساتھ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں جتنے پہلوؤں کی رعایت ضروری ہے، ان تمام کی ان حضرات نے قرآن و سنت کے مزاج کے عین مطابق رعایت فرمائی ہے ——— حتمی حیثیت دے کر اس موضوع پر کچھ کہا یا سوچا جا سکتا ہے۔

ب : ایسے نازک موضوع میں عوامی سطح پر بہت زیادہ باریک موشگافیاں مناسب نہیں کیونکہ بسا اوقات عوام کے فہم سے بالاتر ہونے کی بنا پر غلط فہمیوں کا باعث ہو سکتی ہیں، اسلئے جس تدقیق کے ساتھ اس موضوع پر سوالات اٹھائے گئے ہیں ان کو علمی تحقیق کی حد تک ہی محدود رکھا جائے۔

(۲) استفتاء میں طارق اور خالد کے فرضی ناموں کی بنیاد پر انکے نظریات لکھے گئے ہیں۔ اگرچہ عبارات و نظریات مخصوص شخصیات کی ہیں، جو فرضی عنوان کے ساتھ پیش کی گئی ہیں تو ان کے بارے میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ کسی کے کلام کے صحیح مفہوم تک پہنچنے کے لئے دو باتیں اہم ہوتی ہیں۔ ایک متکلم کی شخصیت کا تعارف۔ متکلم کے بدلنے سے ایک ہی کلام کے محمل بدل جاتے ہیں۔ ایک کلام ایک شخصیت سے صادر ہو تو اس کا مفہوم اور ہوتا ہے۔ وہی کلام دوسرے متکلم سے صادر ہو تو اس کا مفہوم اور ہوتا ہے۔ اسلئے کلام کا صحیح مطلب معلوم کرنے کے لئے متکلم کی شخصیت، اس کا عمومی مزاج اور اس کے دیگر نظریات کا معلوم ہونا بہت ضروری ہے۔ ہر متکلم کے کلام کی توجیہ اس کے عمومی مزاج کے مطابق ہی کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ سوال میں بھی ایک جگہ یہی بات کہی گئی ہے۔ لکھا ہے:

"اگر اصحاب عبارات اکابر اہل السنۃ نہ ہوتے، اعلیٰ درجے کے متقی و مخلص نہ ہوتے، نیک نیت اور اہل اللہ نہ ہوتے تو ان کی ایسی عبارات کا حکم وہی ہوتا جو صحابہ کی شان کے خلاف عبارتوں کا ہوا کرتا ہے الخ"

اس بات کے پیش نظر صاحب عبارات کی تعیین نہ ہو سکنے کی بنا پر ہم نے ان عبارات کے عمومی مفاد و مطالب پر ان کا حکم لکھا ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ

واقع میں متکلم کی شخصیت ایسی ہو کہ اس کی نسبت سے عبارات کا مطلب وہ نہ ہو جو ہم نے سمجھا ہے۔ ایسی صورت میں ہمارا جواب بھی مختلف ہوگا۔
دوسری چیز جو عبارت کا صحیح مفہوم سمجھنے کیلئے ضروری ہے وہ عبارت کا سیاق ہے۔
لہٰذا اگر استفتاد میں کسی کی عبارت اس کے سیاق سے کاٹ کر لکھی گئی ہے تو یہ جوابات ان عبارات پر چسپاں نہیں ہونگے۔ ایسی صورت میں ان عبارات کے بارے میں حتمی رائے ان کا سیاق سامنے آنے کے بعد ہی قائم کی جاسکتی ہے۔

(۳)۔ خالد اور طارق کے فرضی ناموں سے جو نظریات لکھے گئے ہیں، اگر یہ خاص شخصیت سے ہیں تو بہتر یہ تھا کہ ان کے نظریات انہی سے لکھوائے جاتے یا ان کی کسی کتاب سے بلفظہ باحوالہ نقل کیے جاتے۔ اس طرح ان کے نظریات کی صحیح ترجمانی بھی ہوتی اور اس کے بارے میں رائے قائم کرنا بھی آسان ہوتا۔

(۴)۔ کسی مجتہد کی طرف خطائے اجتہادی کی نسبت کرنا بے ادبی نہیں اور نہ ہی یہ ان کی عظمت کے منافی ہے۔ یہ طے شدہ منصوص اصول ہے کہ مجتہد کو بصورت اصابت دو اجر اور بصورت خطا ایک اجر ملتا ہے، وہ قابل مواخذہ اور گنہگار کسی صورت میں بھی نہیں ہوتا۔ اسلئے خطائے اجتہادی کی نسبت کسی کی طرف کرنا بے ادبی نہیں۔ یہ بات کسی حدیث وفقہ کے پڑھنے پڑھانے والے کو بہت سہولت سے سمجھ میں آسکتی ہے۔ متعدد مسائل میں بہت صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کے مذہب کو مرجوح قرار دے کر ان کی طرف خطائے اجتہادی کی نسبت کی جاتی ہے، مگر یہ کسی کی شان میں بے ادبی نہیں، نہ ہی اس کو بے ادبی سمجھا جاتا ہے۔

جوابات

اب سوالات کے جوابات بالترتیب ملاحظہ ہوں۔

[1] مسائل کی عبارت سے خالد اور طارق کے نقطۂ نظر میں اختلاف اور فرق واضح نہیں۔ لکھا ہے کہ خالد "سکوت وتوقف" کا قائل نہیں ہے اور طارق کا قائل ہے۔ سوال یہ ہے کہ "سکوت وتوقف" جس کا خالد نافی اور طارق مثبت ہے، اس سے مراد

کیا ہے؟ ——— اگر توقف سے مراد یہ ہے کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے باہمی نزاعات و اختلافات کے بارے میں کسی کے مصیب یا مخطی ہونے کا ہمیں علم نہیں، اور نہ ہی ہم کسی کے مخطی یا مصیب ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں یا کسی ایک کے مخطی اور دوسرے کے مصیب ہونے کا علم تو ہے و اعتقاد تو ہے، مگر مخطی یا مصیب کی تعیین کا علم و اعتقاد نہیں۔ خالد اس توقف کی نفی کرتا ہے اور طارق اس کا اثبات کرتا ہے۔ تو توقف کی اس تشریح کی بنیاد پر توقف کی نفی درست اور توقف کا اثبات خلافِ تحقیق جمہور اہل السنۃ والجماعۃ ہے۔ (د) پہلے کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ اور اہل جمل رضی اللہ عنہم اجمعین کے باہمی نزاعات و اختلافات میں بہ تعیین بعض کی تصویب (بہ درجہ ترجیح) اور بعض کا تخطیہ (بہ خطائے اجتہادی) سلف کے کلام میں اظہر و اصرح ہے، بلکہ بہت سی احادیث و آثار میں بھی اس کی طرف اشارات ہیں۔ اگر اس موضوع پر عبارات یکجا کی جائیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ یہاں چند عبارات بطور نمونہ پیش کی جاتی ہیں:

● فخر المحدثین والمفسرین حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رح نے احکام القرآن میں قاضی ابوبکر بن العربی سے نقل فرمایا ہے:

"فتقرر عند علماء المسلمين وثبت بدليل الدين أن عليا رضي الله عنه كان إماما وأن كل من خرج عليه باغ. إلى أن قال: فكان علي في ذلك أحسن رأيا وأصوب قيلا" (احکام القرآن التھانوی ج۲ ص۲۶۰)

چند صفحات کے بعد الشیخ محمد السفارینی رح کے "شرح العقیدۃ السفارینیۃ" سے طویل عبارت نقل فرمائی ہے، جس کے چند اقتباسات یہ ہیں۔

"(وما نشأ) أي التخاصم والنزاع والتقاتل والدفاع الذي جرى بينهم كان عن اجتهاد وقد صرح به كل واحد منهم من رؤوس الفريقين ومقصد سائغ لكل فرقة من الفريقين وإن كان المصيب في ذلك للصواب واحداً وهو علي رضوان الله عليه ومن والاه. والمخطئ هو من نازعه وعاداه غير أن للمخطئ في الاجتهاد أجراً وثواباً خلافاً لأهل الجفاء والعناد" (احکام القرآن ص ۲۶۷ ج۵)

٥

و بعد اسطر:

"وقد اتفق أهل الحق أن المصيب في تلك الحروب والتنازع أمير المؤمنين علي رضي الله عنه من غير شك ولا تدافع. والحق الذي ليس عنه نزول أنهم كلهم رضوان الله عليهم عادل لأنهم متأولون في تلك المخاصمات، مجتهدون في هاتيك المقاتلات، فإنه وإن كان الحق على المعتمد عند أهل الحق واحداً فالمخطئ مع بذل الوسع وعدم التقصير مأجور لا مأزور" (ارشاد ص ٢٦٨ ج ٥)

حافظ ابن حجر رح فرماتے ہیں۔

"ودل حديث «تقتل عماراً الفئة الباغية» على أن علياً كان المصيب في تلك الحرب لأن أصحاب معاوية قتلوه، وقد أخرج البزار بسند جيد عن زيد بن وهب قال كنا عند حذيفة فقال: كيف أنتم وقد خرج أهل دينكم يضرب بعضهم وجه بعض بالسيف؟ قالوا: فما تأمرنا؟ قال: انظروا الفرقة التي تدعو إلى أمر علي فالزموها فإنها على الحق" (فتح الباری ١٣/ ٨٥ قبیل باب ذکر الدجال)

شیخ عبدالقاہر الاسفرائنی رح فرماتے ہیں:

"وقالوا (أي أهل السنة والجماعة): بإمامة علي في وقته وقالوا بتصويب علي في حروبه بالبصرة وبصفين وبنهروان" إلى قوله: وقالوا في صفين إن الصواب كان مع علي رضي الله عنه وإن معاوية وأصحابه بغوا عليه بتأويل أخطأوا فيه ولم يكفروا بخطئهم" (الفرق بين الفرق ص ٣٥٠)

اس جیسی تصریحات بے شمار موجود ہیں ~~ھ~~ جن میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا

[illegible]

"اہل السنۃ" اور "اہل حق" کا موقف نقل کر رہے ہیں۔

یہ تحفظ "کف اللسان عن الصحابہ" کے منافی نہیں اور نہ ہی "فلنطلب عنهما السنتنا" وغیرہ کے خلاف ہے۔ اسلئے کہ ان باتوں کا مطلب تو یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں ایسی کوئی بات نہ کہی جائے جو سوء ادب کا باعث ہو یا مقام صحابیت کے منافی ہو۔ اور کسی کی طرف خطائے اجتہادی کی نسبت بے ادبی نہیں (کما مر) اور خطائے اجتہادی کا صدور مقام صحابیت کا منافی بھی نہیں۔ بہت سے علماء کے ہاں تو خطائے اجتہادی کا صدور انبیاء علیہم السلام سے بھی ہو سکتا ہے۔ مگر اس پر استقرار نہیں (دیکھئے: اصول السرخسی ص ۱۲: ۳۱۸ و ص ۲: ۹۰) جب خطائے اجتہادی مقام نبوت کے منافی نہیں تو مقام صحابیت کے کیسے منافی ہو گی؟ بہر حال! کسی صحابی کی طرف خطائے اجتہادی کی نسبت نہ بے ادبی اور نہ مقام صحابیت کے منافی ہے، اسلئے موقف (بہ تشریح مذکور) کی دلیل میں طارق نے سلف کے جو اقوال پیش کئے ہیں وہ بے محل اور خارج بحث ہے۔

طارق کا یہ نظریہ بھی غلط ہے کہ کسی صحابی کی طرف خطائے اجتہادی کی نسبت کرنا اصل مذہب نہیں، بلکہ ایک رخصت ہے۔ بات اس طرح نہیں، بلکہ اس کے برعکس ہے اصل اعتقاد تو بعض کی تصویب اور بعض کے تخطئہ کا ہے، جس کے بارے میں حضرت مجدد صاحب رح نے "کتب القوم مشحونۃ بالخطأ الاجتہادی" فرمایا ہے، مگر چونکہ خطا کا اجتہادی ہونا عوام کی سمجھ میں نہیں آتا اسلئے عوام کی سلامتی اسی میں سمجھی گئی ہے کہ ان کو اس مسئلے کی موشگافیوں میں نہ الجھایا جائے۔ جیسا کہ ہم تمہید میں بھی یہ درخواست کر چکے ہیں۔ بیان خطائے اجتہادی سے سکوت کو اولیٰ قرار دینا اسلئے نہیں کہ یہ اصل عقیدے کے خلاف ہے، بلکہ عوام کی سطح سے بالاتر ہونے اور اس سے ناواقفی کے مضر ہونے کی بناء پر ہے۔ اور اس طرح ایسے مزلۃ الاقدام ہونے کی وجہ سے کہ اسمیں ذرا سی [illegible] اس کی مثال مسئلہ تقدیر ہے کہ تقدیر کے بارے میں گفتگو سے منع کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ عوام کے فہم سے بالاتر ہے۔ بات ٹھیک طرح سے نہ سمجھنے کی وجہ سے غلط فہمیوں کا شکار ہو سکتے ہیں۔ یہی حیثیت اس مسئلے کی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں صحابہ اور تقدیر دونوں کو ایک ہی سیاق میں ذکر کیا گیا ہے:

[illegible]

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "اذا ذکر اصحابی فامسکوا، واذا ذکرت النجوم فامسکوا، واذا ذکر القدر فامسکوا"

(الجامع الصغیر للسیوطی ص ۹۵ ج ۲) ....

جو درجہ امساک عن القدر کا ہے وہی درجہ امساک عن الصحابہ کا ہوگا۔ معلوم ہوا کہ سکوت اصل مذہب کے خلاف نہیں، بلکہ سلامتی کا راستہ یہی ہے۔

[illegible] کہ اگر خواہی سلامت برکنار است

یہی وجہ ہے کہ جو حضرات سکوت کو اولیٰ قرار دے رہے ہیں، خود وہی خطائے اجتہادی کا ذکر بھی کر رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت مجدد صاحب ایک جگہ فرماتے ہیں: "محقیت یکے از خلفائے دیگر ہم اینجا پیدا کشود" ——— دوسری جگہ فرماتے ہیں۔ "جمہور اہل سنت برآنند کہ برایشان ظاہر شدہ باشد برآنند کہ حقیت در جانب امیر بودہ و مخالف او براہ خطا رفتہ، لیکن این خطا چوں خطائے اجتہادی است از ملامت و طعن دور است"

(مکتوبات ص ۵۴ ج ۲)

پھر طارق کا [illegible] ضرورت اور قدرِ ضرورت کا معیار بتائے بغیر یہ کہنا کہ سلف کا تخطئہ بضرورت اور بقدرِ ضرورت تھا مبہم اور ادھورا موقف ہے۔ ضرورت اور قدرِ ضرورت کی تعیین کے بعد ہی اس کے بارے میں کوئی رائے قائم کی جا سکتی ہے۔

طارق کا یہ کہنا کہ "ان کی مراد یہ نہیں کہ یہ تخطئہ و تصویب ضرور ہی کیا جائے" یہ بات اس حد تک تو درست ہے کہ تخطئہ یا تصویب کا اعتقاد اس درجے میں ضروری نہیں کہ اس سے بدعملی متصور ہو، ایسے ہی کوئی شخص اعتقاد رکھتے ہوئے احتیاطاً سکوت رکھے تو بھی کوئی حرج نہیں، لیکن کوئی شخص تخطئہ و تصویب یا تعیینِ مخطی و مصیب کی نفی اور رد کرتا ہے تو اس کا یہ موقف جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلک کے خلاف کہلائے گا ———

[illegible] تاہم اگر کوئی شخص کسی دلیل کی بنیاد پر اپنے طور پر تخطئہ و تصویب کا اعتقاد نہیں رکھتا یا تعیینِ مخطی و مصیب کا اعتقاد نہیں رکھتا یہ اس کی ایک علمی غلطی ضرور ہے، مگر اس کی طرف گمراہی یا ضلالت کی نسبت کرنا مناسب نہیں۔ لیکن اگر وہ تخطئہ و تصویب کے قائلین کو نادرست گردانتا ہے تو پھر جانے تو یہ اس کی طرف سے

( )

حدود سے تجاوز ہو گا۔

توقف کی دوسری تشریح :

اور اگر توقف سے مراد یہ ہے کہ تخطئہ وتصویب کے اعتقاد کو صحیح سمجھتے ہوئے اس سے سکوت کیا جائے تو توقف بایں معنی اس تفصیل کے ساتھ درست ہے کہ اگر موقع تعلیم عقائد کا ہو یا تدریس احادیث وآثار کا، یا کسی متعصب رافضی یا غالی کے رد کا، یا کوئی شخص اہل السنۃ والجماعۃ کے موقف کے خلاف نظریہ رکھتا ہو اور اہل السنۃ والجماعۃ کے موقف کی وضاحت کا موقع ہو یا کہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے منازعات کی بحث چھڑ گئی ہو وہاں تاویل سمجھانے کی ضرورت ہو تو ایسے مواقع میں تخطئہ وتصویب کا بیان ہی بہتر ہے۔ اس کے علاوہ عمومی حالات میں کف لسان اور سکوت اولیٰ ہے۔

(۲)

چونکہ اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں صحابہ کے اختلافات مبنی بر اجتہاد تھے۔ اور مجتہد فیہا مسائل میں تخطئہ وتصویب قطعی نہیں ہوتا ظنی ہوتا ہے۔ اسلئے مشاجرات صحابہ میں تخطئہ وتصویب کو قطعی کہنا درست نہیں، پر تخطئہ وتصویب ظنی تھی، مگر تخطئہ وتصویب کے ظنی ہونے کا مفہوم واضح ہونا ضروری ہے۔ تصویب کے ظنی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جن کو ہم مصیب سمجھتے ہیں ان کے مخطی ہونے کا بھی احتمال مرجوح موجود ہے۔ اور جن کو مخطی سمجھتے ہیں، ان کے مصیب ہونے کا احتمال مرجوح موجود ہے۔ تخطئہ وتصویب کے ظنی ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جس کا دل چاہے قائل ہو اور جس کا دل چاہے قائل نہ ہو۔ جیسے تخطئہ وتصویب کو قطعی سمجھنا غلط ہے، ایسے ہی تخطئہ وتصویب کی نفی بھی جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلک کے خلاف ہے۔

ظنی ہونے کی اس تشریح کی ضرورت اسلئے پیش آئی کہ سائل کی عبارت "قطعی طور پر ایسے مخطی ہیں کہ ان کو مخطی ہی ماننے بغیر نہ کوئی چارہ ہے اور نہ اس کے سوا دوسرا صحیح راستہ" سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید قطعی اور ظنی ہونے کا مفہوم ذہن میں صاف نہیں۔

(۳)، (۴)، (۵)

یہ سوال انتہائی نازک ہے، اسلئے کہ اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے اکثر لوگ

دو غلطیوں میں سے ایک غلطی میں مبتلا ہو جاتے ہیں ، یا مصنف کی ایسی عبارات دیکھ کر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں آزادانہ اس جیسے الفاظ کہہ دینے کے جواز کے قائل ہو جاتے ہیں۔ یا مصنف کے بارے میں بدگمانی کا شکار ہو جاتے ہیں ۔ اور یہ انداز اختیار کرتے ہیں کہ فی نفسہ تو مصنف کی یہ عبارات صحابہ رضا کی شان میں بے ادبی ہے ، مگر ہم ان کے کلام کی تاویل کرکے ان کی بہت بڑی رعایت کر رہے ہیں ۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ تھے تو وہ بے ادب ہی ، مگر ہم نے ان کی رعایت کرکے ان کو بے ادب کہا نہیں ۔

یہ دونوں باتیں غلط ہیں ۔ غالب اور طارق دونوں میں سے کسی کے موقف کو بھی علی الاطلاق درست قرار نہیں دیا جا سکتا ——— اس سلسلے میں نقطۂ اعتدال تک پہنچنے کیلئے چند امور بالترتیب پیش کیے جاتے ہیں ۔

(۳)

(الف) : راجح قول کے مطابق اجتہادی امور میں حق ایک ہی ہوتا ہے ۔ اسلئے ایسے امور میں اختلاف کی صورت میں ایک حق پر ہوگا اور دوسرا حق سے متجاوز ۔ اس دوسرے کا فعل فی نفسہ باطل اور ناجائز ہوگا ، مگر اس باطل اور ناجائز کا ارتکاب چونکہ اس نے اجتہاد کی بنا پر کیا ہے ، اسلئے وہ قابل مواخذہ اور گنہگار نہ ہوگا ، بلکہ اس خفی میں [illegible] ۔ (بشرطیکہ ایسا کرنے والے شخص میں [illegible] اہلیت اجتہاد ہو اور مسئلے میں مساغ اجتہاد ہو)

اس کی مثال یہ ہے کہ کسی جگہ کئی افراد ایسے جمع ہوں ، جن کو سمتِ قبلہ کا علم نہیں ، انہوں نے حسب حکم شرع تحری کرکے جہاتِ تحری کی طرف نماز پڑھ لی ۔ ہر ایک کا منہ الگ جہت کی طرف تھا ۔ اب یہاں یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ سب نمازیوں کا منہ قبلے کی طرف ہے اور کوئی بھی قبلے سے منحرف نہیں ، بلکہ یوں کہا جائے گا کہ جو واقعۃً جہتِ قبلہ کی طرف تھا ، اس کے علاوہ باقی قبلے سے منحرف ہیں ، مگر یہ انحراف (۹) باعثِ مواخذہ یا موجبِ فسادِ صلاۃ نہیں ۔ باعثِ اجر [illegible] ہے ، اسلئے کہ یہ انحراف دلیلِ شرعی "تحری" پر مبنی ہے ۔ فی نفسہ یہ انحراف مواخذہ اور فسادِ صلاۃ کا سبب تو ہے۔ اگر تحری پر مبنی نہ ہوتا تو گناہ بھی ہوتا اور نماز بھی فاسد ہوتی ، مگر تحری کی بنا پر اس سبب کا مسبب واقع نہیں ہوا۔

خاتم المحدثین حضرت علامہ مولانا محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی

( )

یہ مضمون "فیض الباری" میں نقل کیا گیا ہے:

"وحاصله: أن تلك المعاصي أسباب النار، ولا يلزم من ارتكاب الأسباب ترتب مسبباتها، فإن ترتب المسببات يتوقف على أمور أخرى من ارتفاع الموانع ووجود الشرائط، وربما يكون مثل ما ثم إن الشرع قد يحكم بالنار على أمر حسي فما العجب فيما حكم مجازا على سبب من أسبابها.......

وحينئذ معنى قوله: "يدعوهم إلى النار" باعتبار الجنس، يعني أن مثل هذه الدعوة كانت سبباً للنار إلا أنه تخلف عنه مسببه في حق الصحابة رضي الله عنهم لمانع وهو كونهم مجتهدين قاصدين الصواب والحق. والله تعالى أعلم"

("فیض الباری" ص [illegible] ج ٢)

(تحت حدیث ویح عمار تقتلك الفئة الباغية الخ)

فقہی مسائل میں اس کی مثال یہ ہے کہ حنفیہ کے ہاں قے ناقض وضو ہے۔ شافعیہ کے ہاں ناقض وضو نہیں۔ اب حنفیہ کے ہاں فی نفسہ حکم یہی ہے کہ قے کے بعد نئے وضو کے بغیر نماز پڑھنا گناہ ہے اور نماز نہیں ہوتی، لیکن کوئی شافعی المسلک جو کہ یہ کام اجتہاد کی بنا پر کر رہا ہے تو اس کی نماز صحیح ہوگی اور وہ مستحق اجر ہوگا (۵) ——— ایسے ہی مس ذکر کے بعد نئے وضو کے بغیر نماز پڑھنا شافعیہ کے ہاں گناہ ہے اور اس صورت میں نماز نہیں ہوتی، مگر کوئی حنفی یہ کام کرے تو اس کی نماز صحیح ہوگی اور وہ مستحق اجر ہوگا اسلئے کہ اس کا یہ کام اجتہاد پر مبنی ہے۔ ۵

اب پہلے مسئلے میں حنفیہ کے ہاں اس شخص کا یہ فعل فی نفسہ ناجائز ہے (لیکن اجتہاد کی نسبت سے) اگر اس کو ناجائز کہیں تو یہ حدود سے تجاوز نہیں ہوگا۔ دوسرے مسئلے میں شافعیہ کے ہاں اس شخص کا فعل ناجائز ہے اگر وہ اس کو ناجائز کہیں تو یہ حدود سے تجاوز نہیں ہوگا۔

اس تفصیل کی روشنی میں ایسے تمام افعال جو خطائے اجتہادی سے صادر ہوں وہ فی نفسہ ناجائز ہی ہوتے ہیں (۶)، ان کو ناجائز کہنا درست ہے (۷)، حدود سے ۶ ۷

(فاعل)
تجاوز نہیں، تاہم مجتہد ہونے کی بنا پر ناجی اور مستحق اجر ہی ہوگا۔

ب: یہ بات پہلے صاف ہو چکی ہے کہ صحابہ کے باہمی نزاعات اجتہاد پر مبنی تھے اور ان میں سے بعض مصیب اور بعض خطا والے تھے۔ اب جن صحابہ رضی اللہ عنہم کے افعال خطائے اجتہادی سے صادر ہوئے ہیں، ان پر تفصیل بالا کی روشنی میں بغاوت [illegible] کا اطلاق فی نفسہ درست ہے، بے ادبی نہیں۔

ج: بغاوت کا معنیٰ کسی امام کے خلاف خروج ہے۔ پھر خروج اگر کوئی مجتہد اپنے اجتہاد کی بنا پر جائز سمجھتے ہوئے کرے تو یہ اس کے حق میں باعث قدح نہیں۔ اور اگر خروج بلا اجتہاد شرعی ہو تو یہ باعث قدح ہے۔ بغاوت ایک علمی اصطلاح ہے جو کبھی باعث قدح ہوتی اور کبھی نہیں ــــــــ ایسے ہی جور کا معنیٰ ہے حق سے مائل ہونا۔ پھر حق سے میلان اجتہاداً ہو تو موجب قدح نہیں، عناداً ہو تو موجب قدح ہے۔ اب یہ الفاظ یا ان جیسے دوسرے الفاظ جو مطلقاً موجب قدح نہیں، ان کا صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں اطلاق مطلقاً بے ادبی نہیں ہوگا۔ سوء ادب تب ہوگا جبکہ ان کی طرف ان افعال کے عناداً صدور کی نسبت کی جائے۔

د: طارق کا جو موقف ان الفاظ میں لکھا ہے "لہٰذا جن حضرات نے اس کو (دی) اس سے زیادہ کچھ کہا ہے انہوں نے ہی حد استقامت و عزیمت سے خروج کیا ہے الخ" ــــــــ اس سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے کہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ یہ بات طے شدہ ہے کہ ان الفاظ کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اطلاق "ادب و احترام کے خلاف"، "توہین و تنقیص" اور "حد استقامت و عزیمت سے تجاوز" ہے۔ اگر یہ الفاظ ایسے شخص کے حق میں کہے جس کو ہم اپنے سلف میں شمار نہیں کرتے، جن سے ہمیں عقیدت نہیں ہے تو اس کو بے ادبی سمجھا جائے گا۔ اور یہی الفاظ جن کا بے ادبی ہونا طے شدہ ہے ایسی شخصیات سے صادر ہوں جن سے ہمیں عقیدت ہے تو یہ بے ادبی نہیں ہے۔ جو الفاظ بے ادبی ہونے کے لیے متعین ہیں وہ شخصیات کے بدلنے سے ادب کیسے بن سکتے ہیں۔ کلام میں وہ توجیہ کی جاتی ہے جس کا وہ کلام متحمل ہو ــــــــ اس لیے بات تو وہی ہے جو اوپر کہی گئی کہ بغاوت وغیرہ کی تعبیرات ذو وجہین ہیں، کبھی باعث سوء ادب ہوتی ہیں اور کبھی نہیں۔ ایسے الفاظ کے مطالب میں متکلم کا مزاج، اس کا انداز بیان اور بیان کا

موقع و محل دیکھ کر متعین کیے جاتے ہیں ۔ ——— سلف نے یہ تعبیرات برمحل اور مناسب انداز کے ساتھ ذکر کی ہیں اور ان کے طرزِ نزاع سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ سراپا ادب تھے ، اسلئے ان کا یہ انداز قابلِ اعتراض نہیں ۔ اس میں کسی توجیہ یا معذرت خواہانہ انداز اختیار کرنے کی ضرورت نہیں ، مگر عرف اور موقع گفتگو کے بدل جانے سے یا مخاطب کے فہم ناقص کی وجہ سے یہ الفاظ کبھی غلط فہمی کا باعث بھی بن جاتے ہیں اور ان الفاظ کا استعمال واجب کسی درجہ میں بھی نہیں ، ۔ اس بنا پر احتیاط اسی میں ہے کہ عوامی سطح پر ان جیسے الفاظ پوری حقیقت سمجھائے بغیر استعمال کرنے سے اجتناب کیا جائے ۔

ساری گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ بغاوت وغیرہ کی تعبیر فی نفسہ باعث سوء ادب نہیں ، اسلئے سلف کا ان کو اختیار کرنا استقامت سے تجاوز نہیں ۔ تاہم عوامی سطح پر ان سے اجتناب ہی میں احتیاط ہے ۔

(۶)

یہ کہنا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد نہیں تھے ، یا مجتہد تھے ، مگر انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی
رائے صحیح کے اتباع کی بجائے اپنی رائے پر عمل کرنے کی وجہ سے (معاذ اللہ) قابلِ مؤاخذہ ہیں ۹
خلافِ حق اور غلط ہے

(۷)

اس کا جواب پہلے سوال کے جواب میں آچکا ہے ۔

(۸)

بغرضِ تاویل خطائے اجتہادی کی نسبت میں تو اشکال ہی نہیں ۔ تخطیہ برائے تخطیہ میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اختلاف کسی عملی نوعیت مثلاً کے مسئلے میں ہو تو ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ تخطیہ برائے تخطیہ ہی ہوگا نہ کہ بغرضِ تاویل ۔ اور یہ علمی ضرورت ہے اور بلا شبہ جائز ہے ، جیسا کہ فقہی مسائل میں فقہاء کرام کا معمول ہے ۔ ایسے مسائل میں تخطیہ بغرضِ تاویل نہیں ہوتا ، بلکہ غلط و صواب معلوم کرنے کے لیے ہوتا ہے ۔ اور اگر اختلاف عملی نوعیت کے مسئلے سے متعلق نہ ہو تو تخطیہ بغرضِ بیانِ خطا کا کوئی صحیح منشا ہو مثلاً کسی کے افراط یا تفریط کا رد کرنا وغیرہ ۔ تو اس میں بھی مضائقہ نہیں ۔ اور اگر اختلاف کا تعلق عمل سے بھی نہیں اور تخطیہ کا صحیح منشا بھی موجود نہیں تو تخطیہ برائے

Scanned by CamScanner

بیانِ خطا ایک مہیب اور خطرناک کام ہے، اس سے اجتناب ضروری ہے

(٩)

دراصل ائمۂ مذہب اور متأخرین کے درمیان تعارض ہی نہیں ہے۔ جس سکوت کو متقدمین نے اولیٰ قرار دیا ہے اسی کو متأخرین بھی قرار دے رہے ہیں۔ اس کے باوجود وہ تخطیہ و تصویب بھی فرما رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ جس سکوت کو اولیٰ قرار دیا گیا ہے وہ تخطیہ و تصویب کے منافی نہیں ______ مثلاً علامہ سفارینی رحمہ اللہ جن کی تخطیہ کے بارے میں نہایت واضح عبارات پہلے لکھی گئی ہیں [illegible] اسی مقام پر کچھ آگے چل کر فرماتے ہیں:

"وإنما نهى عن الخوض في النظم لأن الإمام أحمد كان ينكر على من خاض ويسلم أحاديث الفضائل وقد تبرأ ممن ضللهم أو أكفرهم وقال: السكوت عما جرى بينهم"

چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں:

"فلا جرم أن السلامة في التسليم وكف اللسان عن هذا المدخل الضيق العظيم. ولهذا قال في النظم: ((فأسلم)) من الخوض في تلك البحور واحذر من العثار في ذلك الحادث الذي يجور الخ"

(احکام القرآن التھانوی ص ٢٦٩ ج ٥)

علامہ سفارینی رحمہ اللہ کے انداز سے بات بالکل واضح ہو گئی کہ بیانِ خطائے اجتہادی اور سکوت کو اولیٰ قرار دینے میں کوئی تضاد نہیں۔

پہلے اور آٹھویں سوال کے جواب میں ذکر کردہ تفصیل کے مطابق خطائے اجتہادی کا بیان بھی درست ہے، مگر پہلے سوال کے جواب کے آخر میں جو بیانِ خطا کی ضرورتیں لکھی گئی ہیں ان جیسی اہم کسی ضرورت کے بغیر اس موضوع میں زیادہ تدقیق اور خوض یا مشاجراتِ صحابہ کے خلاف کوئی انداز اختیار کرنا، اس سے سکوت ضروری ہے۔

هذا ما عندي وما أراه في هذا المقام والعلم عند الله تعالى — احقر محمد مجاہد عفی عنہ

١٥-٢-٢٠١٣ء

(١)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط۔

استفتاء کا جو جواب مسائل کو بھیجا گیا تھا وہ تو پچھلے صفحے تک ختم ہو گیا ہے۔ اس جواب میں مسئلے اور موقف کی تنقیح تو کافی حد تک ہو چکی ہے، البتہ دلائل میں اختصار سے کام لیا گیا ہے اور بقدرِ ضرورت پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ مناسب معلوم ہوا کہ اس کی تائید میں مزید چند دلائل جو تفصیل سے سامنے آئے پیش کر دیے جائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو موقف جواب لکھا گیا ہے وہ تو علمائے اہل السنۃ کی کتابوں میں بھری ہوئی ہیں۔ اگر مزید عبارتیں تلاش کی جائیں تو بسہولت ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رح نے [illegible] فرمایا ہے:

"کتب القوم مشحونۃ بالخطأ الاجتہادی"

(مکتوبات امام ربانی: ج ۱/۲۷۲ طبع قدیم، لکھنؤ
بحوالہ "سیرت علی المرتضٰی" از مولانا محمد نافع صاحب مدظلہ صفحہ ۳۷۵)

کتب اہل السنۃ کی جتنی جستجو کی جائے، حضرت مجدد رح کی اس بات پر اعتماد پڑھتا چلا جاتا ہے۔

اتنی زیادہ اور واضح تصریحات کے باوجود بھی اس بات پر اصرار کی کوئی وجہ سمجھ نہیں آتی کہ اجتہادی تصویب و تخطئہ کا راستہ خلاف احتیاط و عزیمت ہے، اور اس مسلک و سکوت کے منافی ہے جس کی تعلیم علمائے اہل السنۃ نے دی ہیں۔

یہاں پہلے چند احادیث پیش کی جاتی ہیں، پھر علمائے اہل السنۃ کی عبارتیں پیش کی جائیں گی۔

احادیث

(۱) احادیث میں خوارج کے ساتھ قتال کرنے والے کو "أولى الطائفتين بالحق" کہا گیا ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال فرمایا تھا۔ [illegible] کے مختلف طرق اور الفاظ اس طرح ہیں۔

(۷) السنن الکبریٰ للنسائی ج ۵ : ۱۵۸

(۸) البدایہ والنہایہ ج ۷ : ۲۹۷

(۹) " " ج ۷ : ۲۹۶ (بروایت حضرت انس رض)

(۱۰) کنز العمال ج ۱۱ : ۱۹۶

(۱۱) " ج ۱۱ : ۲۰۴

(۱۲) السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۸ : ۱۷۰ - ۱۷۱

(۱۳) صحیح ابن حبان - (الاحسان بتقریب صحیح ابن حبان ج ۱۵ ص ۱۲۹
موسسۃ الرسالۃ بیروت ، بتحقیق شعیب الارنؤوط)

یہ روایات حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کے اقرب الی الصواب اور احق ہونے کی واضح دلیل ہیں، چنانچہ سلف نے ان روایات سے اس موقف کا استنباط بھی فرمایا ہے ، امام نووی رحمہ اللہ اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں :

"ھذہ الروایات صریحۃ فی أن علیا کان ھو المصیب المحق
والطائفۃ الأخری أصحاب معاویۃ کانوا بغاۃ متأولین"

(شرح مسلم للنووی ج ۱ : ۳۴۲)

یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس اختلاف مشاجرات کی حیثیت بیان کرتے ہوئے سلف کی دو طرح کی تعبیریں ملتی ہیں ۔ بعض نے یہ تعبیر اختیار فرمائی ہے کہ حضرت علی رض کو مجتہد مصیب اور حضرت معاویہ رض مجتہد خاطی یا باغی متأول تھے ۔ اور بعض نے یہ تعبیر اختیار فرمائی ہے کہ حضرت علی رض کا موقف راجح اور اقرب الی الصواب تھا اور حضرت معاویہ رض کا موقف مرجوح تھا ۔ ان دونوں میں محض لفظی فرق ہے ، حقیقت میں دونوں کا مآل ایک ہی ہے ، اس لئے کہ جن حضرات نے صواب و خطا کی تعبیر اختیار فرمائی ہے ، ان کی مراد ظنی صواب و خطا ہے ، نہ کہ قطعی ، اس لئے کہ یہ تصویب و تخطئہ مجتہدین کا ہے جو ظنی ہی ہوتا ہے ، اور راجح و مرجوح بھی ظنی خطا و صواب کو کہتے ہیں ۔ لہٰذا ان دونوں تعبیروں میں حقیقت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ۔

"عن أبي سعيد الخدري قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:
يكون أمتي فرقتين فيخرج من بينهما مارقة يلي قتلهم أولهم بالحق.
رواه مسلم"
(مشکاة: ٣٠٧)

وفي رواية أبي داؤد عنه:
"من قاتلهم كان أولى بالله تعالى منهم"
(سنن أبي داؤد ج٢، ٦٥٦)

وفي رواية لمسلم:
"يقتل أولى الطائفتين بالحق"

وفي رواية له:
"يقتلهم أدنى الطائفتين بالحق"

وفي رواية له:
"يقتلهم أقرب الطائفتين بالحق"

وفي رواية له:
"قال أبو سعيد: فأشهد أني سمعت هذا من رسول الله صلى الله عليه وسلم
وأشهد أن علي بن أبي طالب قاتلهم وأنا معه"
(صحيح مسلم ج١: ٣٤١-٣٤٢)

یہی حدیث الفاظ متقاربہ کے ساتھ مختلف طرق سے درج ذیل
کتابوں میں مروی ہے -

(١) مسند ابی یعلی ج١، ٢٠٠ (مطبوعہ بیروت) اس روایت کے
الفاظ یہ ہیں:
"يقتل المارقين أحب الفئتين إلى الله وأقرب الفئتين إلى الله"

(٢) مسند ابی یعلی ج١/ ٢٤٦
(٣) " " ج٢/ ١١
(٤) " " ج٢/ ٨٣
(٥) " " ج٢/ ٩٣
(٦) " " ج٢/ ١١٠

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

"ویح عمار تقتلہ الفئۃ الباغیۃ یدعوھم إلی الجنۃ

ویدعونہ إلی النار"

یہ حدیث مختلف سندوں اور الفاظ سے درج ذیل کتابوں میں مروی ہے:

صحیح بخاری (فتح الباری) ج ١ : ٥٤١ — صحیح مسلم ج ٢ : ٣٩٥ جامع ترمذی
ج ٢ : ٢٢٠ — جامع الاصول ج ١ : ٢٨، ٢٩، ٣٠، ٣١ —
مجمع الزوائد ج ٧ : ٢٤٥ — مصنف ابن ابی شیبۃ ج ١٥ : ٢٩٣
کنز العمال ج ١٣ : ٥٢٨ — ٢٤٠، مسند ابی یعلی ج ٦ : ٧٩
(مسند ابی ھریرہ رض) — ج ٢ : ٢٤٨ (مسند ام سلمہ) — ج ٦ : ٢٩٢
(مسند ام سلمہ) — ج ٦ : ٢٤٥ ~~[illegible]~~ ج ٦ : ٢٧٤
وج ٦ : ٢٩٤ — وج ٦ : ٢٣٤ (مسند عمرو بن العاص) وج ٢ : ٢٦٤
وج ٤ : ٢٧٥ (مسند عمار) — صحیح ابن حبان ج ١٥ : ١٣٠
السنن الکبری للنسائی ج ٥ : ١٥٥ — ١٥٧، فردوس دیلمی ج ٢ : ٦٦ —

اس حدیث سے بھی حضرت علی رض اور ان کی جماعت کا مصیب ہونا بر بنائے وضاحت کے ساتھ ثابت ہوا، اس لئے کہ یہ بات طے شدہ ہے کہ حضرت عمار رض حضرت معاویہ رض کی جماعت کے ہاتھوں سے قتل ہوئے ہیں۔

ابن حبان رح نے اس حدیث پر باب اس طرح قائم فرمایا ہے:

"ذکر الخبر الدال علی ان علی بن ابی طالب کان

فی تلک الوقعۃ علی الحق"

(الاحسان ج ١٥ / ١٣٠)

امام نووی رح اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

"قال العلماء: ھذا الحدیث حجۃ ظاھرۃ فی أن علیاً

رضی اللہ عنہ کان محقاً مصیباً والطائفۃ الأخری بغاۃ لکنھم

مجتھدون فلا إثم علیھم لذلک کما قدمناہ فی مواضع"

شرح مسلم للنووی ج ٢ / ١٥٦

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

"وهذا مقتل عمار بن یاسر رضی الله عنه، مع أمیر المؤمنین علی بن أبی طالب قتله أهل الشام وبان وظهر بذلك سر ما أخبر به الرسول صلی الله علیه وسلم من أن تقتله الفئة الباغیة وبان بذلك أن علیاً محق وأن معاویة باغ وما فی ذلك من دلائل النبوة"

(البدایة والنهایة ج ٧ : ٢٦٦)

(٣) عن عمار بن یاسر قال: سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول: "الفئة الباغیة وأنت علی حق فمن لم ینصرك یومئذٍ فلیس منی"

کنز العمال ج ١١ : ٣٥١

(٤) عن حذیفة قال: "علیکم بالفئة التی فیها ابن سمیة فإنی سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: "تقتله الفئة الباغیة"

(ایضاً)

(٥) عن حبة العرنی قال: دخلنا مع أبی مسعود الانصاری علی حذیفة بن الیمان نسأله عن الفتن فقال: "دوروا مع کتاب الله حیث ما دار وانظروا الفئة التی فیها ابن سمیة فاتبعوها فإنه یدور مع کتاب الله حیث ما دار. قال: فقلنا له: ومن ابن سمیة؟ قال: "عمار"

رواه الحاکم ج ٣ : ٣٩١ وقال: "هذا حدیث صحیح ولم یخرجاه" ووافقه الذهبی وقال "صحیح".

(٦) عن علی بن ربیعة قال: سمعت علیاً علی المنبر وأتاه رجل فقال: یا أمیر المؤمنین! مالی أراك تستحیل الناس استحالة الرجل إبله أبعهد من رسول الله صلی الله علیه وسلم أو شیئاً رأیته؟ قال: "والله ما کذبت ولا کذبت ولا ضللت ولا ضل بی، بل عهد من رسول الله صلی الله علیه وسلم عهده إلیّ وقد خاب من افتری"

(مسند ابی یعلی ج ١ : ٣٦٩ مسند علی)

(٧) عن الزهری قال، أخبرنی حمزة بن عبد الله بن عمر أنه بینا هو جالس

مع عبد الله بن عمر جاءه رجل من أهل العراق فقال: يا أبا عبد الرحمن! "إني والله لقد حرصت أن أتسمت بسمتك وأقتدي بك في أمر فرقة الناس وأعتزل الشر ما استطعت وإني أقرأ آية من كتاب الله محكمة قد أخذت بقلبي فأخبرني عنها. أرأيت قول الله عز وجل: "وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا فأصلحوا بينهما فإن بغت إحداهما على الأخرى فقاتلوا التي تبغي حتى تفيء إلى أمر الله فإن فاءت فأصلحوا بينهما بالعدل وأقسطوا إن الله يحب المقسطين" أخبرني عن هذه الآية؟ فقال عبد الله بن عمر: ما لك ولذلك؟ انصرف عني. فقام العراقي وانطلق حتى إذا توارى منا سواده أقبل علينا عبد الله بن عمر فقال: ما وجدت في نفسي في شيء من أمر هذه الآية ما وجدت في نفسي أني لم أقاتل هذه الفئة الباغية كما أمرني الله تعالى.

(رواه الحاكم ج ٢ : ٤٦٣ وقال هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه ووافقه الذهبي)

(٨) کئی صحابہ سے یہ حدیث مختلف سیاق کے ساتھ متعدد طرق سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رض کو یا دوسرے صحابہ کو حضرت علی رض کے ساتھ ناکثین، قاسطین اور مارقین سے قتال کا امر فرمایا۔ ناکثین سے مراد اہل جمل اور قاسطین سے مراد اہل صفین اور مارقین سے مراد خوارج ہیں۔

تفصیل یہ ہے پانچ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی روایت سے یہ حدیث ملی ہے۔ (١) حضرت علی (٢) حضرت عمار (٣) حضرت ابو سعید خدری (٤) حضرت عبداللہ بن مسعود (٥) حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہم۔ ان روایات کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(١) حدیث علی:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث کئی طرق سے مروی ہے۔

(١) حدثنا إسماعيل بن موسى، حدثنا الربيع بن سهل عن سعيد بن عبيد عن علي بن ربيعة قال: سمعت عليا على منبركم هذا يقول: "عهد إلي النبي

Scanned by CamScanner

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أن أقاتل الناکثین والقاسطین والمارقین"

(مسند ابی یعلی ج ۱: ۲۶۹)

(۲) حافظ ابن کثیرؒ نے ابوبکر بن المقری سے ربیع بن سہل الفزاری تک ایک طریق یوں نقل کیا ہے: "عن الجلد بن عبادۃ البصری عن یعقوب بن عباد عن الربیع بن سہل الفزاری"

(البدایہ والنہایہ ج ۷: ۳۰۴)

(۳) حافظ ابن کثیر نے ہی ایک سند ابن عساکر سے نقل کی ہے: "عن أحمد بن حفص البغدادی عن سلیمان بن یوسف عن عبیداللہ بن موسی عن فطر عن حکیم بن جبیر عن ابراہیم عن علقمۃ عن علیؓ الخ"

(حوالہ مذکور)

(۴) البدایہ والنہایہ میں ہی خطیب بغدادی سے بھی طریق نقل کیا ہے: "أخبرني الأزهري ثنا محمد بن المظفر ثنا محمد بن أحمد بن ثابت قال وجدت في كتاب جدي محمد بن ثابت ثنا أشعث بن الحسن السلمي عن جعفر الأحمر عن يونس بن الأرقم عن أبان عن خليد العصري قال سمعت علياً الخ"

(ج ۷/ ۳۰۵)

(۵) ابن عساکر نے یہ سند نقل کی ہے: "محمد بن فرج الجنديسابوري أنا هارون بن إسحاق ثنا أبو غسان عن جعفر — يعني ابن زياد الأحمر — عن عبد الجبار الهمداني عن أنس بن عمرو عن أبيه عن علي" الخ

(ایضاً)

(۶) ابن عساکر نے ہی ایک اور طریق اس طرح نقل کیا ہے: "أنا أبو القاسم زاهر بن طاهر أنا أبو سعد الأديب أنا السيد أبو الحسن محمد بن علي بن الحسين ثنا محمد بن أحمد الصرفي ثنا محمد بن عمر الباهلي ثنا كثير بن يحيى ثنا أبو عوانة عن أبي الجارود عن زيد بن علي بن الحسين بن علي عن أبيه عن جده عليؓ" الخ

(ایضاً)

(۷) حاکم نے بھی ایک سند نقل کی ہے: "أنا أبو الحسين محمد بن أحمد بن تميم الحنظلي بقنطرة بردان ثنا محمد بن الحسن بن عطية بن سعد العوفي حدثني أبي حدثني عمي

Scanned by CamScanner

الحسن بن عطیۃ ، حدثنی ابی سعد

عن عمرو بن عطیۃ بن سعد عن ابیہ الحسن بن عطیۃ

ابن جنادۃ عن عمار"

(ایضاً)

⑧ حافظ ہیثمی رحمہ نے یہی حدیث مسند بزار اور طبرانی کے معجم اوسط سے نقل فرمائی ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں : "رواہ البزار والطبرانی فی الاوسط واسناد البزار رجالہ رجال الصحیح غیر الربیع بن سعید وقد وثقہ ابن حبان"

(مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۴۱)

(۲) حدیث عمار :

اس حدیث کی دو سندیں ملی ہیں۔

① "حدثنا الصلت بن مسعود الجحدری ، حدثنا جعفر بن سلیمان ، حدثنا الخلیل بن مرۃ عن القاسم بن سلیمان عن ابیہ عن جدہ قال : سمعت عمار بن یاسر یقول : أمرت ان اقاتل الناکثین والقاسطین والمارقین"

(مسند ابی یعلی ج ۲ : ۲۷۲)

اس سند کے بارے میں امام ہیثمی فرماتے ہیں:

"رواہ ابو یعلی باسناد ضعیف"

(مجمع الزوائد ج ۷ : ۲۴۲)

حافظ ذہبی فرماتے ہیں :

"القاسم بن سلیمان عن ابیہ عن جدہ عن عمار ـــ فی قتال القاسطین ـــ

قال العقیلی : لا یصح حدیثہ رواہ جعفر بن سلیمان عن الخلیل بن مرۃ عنہ"

(میزان الاعتدال ج ۳ : ۳۷)

② امام ہیثمی رحمہ نے حضرت عمار کی حدیث کا ایک اور طریق نقل کیا ہے :

"عن ابی سعید عقیصاء قال سمعت عمارا الخ ـــــ رواہ الطبرانی وابو سعید متروک"

(مجمع الزوائد ج ۷ : ۲۴۱)

(۳) حدیث ابی سعید الخدری :

قال ابن کثیر: حدثنا ابو جعفر احمد بن علی بن حکیم الشیبانی ، ثنا الحسین بن الحکم الحبری ، ثنا اسماعیل بن ابان ، ثنا اسحق بن ابراہیم الازدی عن ابی ہارون

Scanned by CamScanner

مطبوعہ دار العاصمۃ، الریاض۔ اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ اس حدیث کے چار طرق ہیں، ان میں سے تینوں ضعیف اور ایک موضوع ہیں۔

خلاصہ:

یہ پانچ مسانید ہیں، جن کے سترہ طرق ہیں۔ ان میں سے اکثر ضعیف ہیں۔ ان میں سے سب سے اچھا طریق مسند بزار کا ہے جس کے بارے میں ہیثمی رح نے فرمایا ہے: "رجالہ رجال الصحیح غیر الربیع بن سحیل"۔ اکثر رواۃ کے ضعیف ہونے کے باوجود یہ حدیث تین وجہ سے بے اصل نہیں۔

(۱) مسند بزار کی روایت کی امام ہیثمی نے تصحیح فرمائی ہے۔

(۲) اس کی سندیں متعدد ہیں۔ تعدد طرق سے حدیث صحیح یا حسن نہ بھی بنے، کم از کم اس قابل ہو جاتی ہے کہ اس کو "لا أصل لہ" نہیں کہا جا سکتا۔

(۳) اس حدیث سے اس قتال میں حضرت علی رض کا مصیب ہونا سمجھ میں آرہا ہے اور یہ مضمون دوسری احادیث سے بھی ثابت ہے، جیسا کہ اس سلسلے میں کئی احادیث لکھی جا چکی ہیں۔ اور اہل السنۃ کا مسلک بھی یہی ہے، لہٰذا اس حدیث کا مدلول دوسری احادیث اور مذہب اہل السنۃ والجماعۃ سے مؤید ہے۔

(۹) صحیح بخاری میں ہے: "عن ابن عمر قال: دخلت علی حفصۃ و نسواتھا تنطف، قلت: قد کان من أمر الناس ما ترین، فلم یجعل لی من الأمر شیء، فقالت: الحق، فإنھم ینتظرونک وأخشی أن یکون فی احتباسک عنھم فرقۃ، فلم تدعہ حتی ذھب۔ فلما تفرق الناس خطب معاویۃ، قال: من کان یرید أن یتکلم فی ھذا الأمر فلیطلع لنا قرنہ، فلنحن أحق بہ منہ ومن أبیہ۔ قال حبیب بن مسلمۃ: فھلا أجبتہ؟ قال عبد اللہ: فحللت حبوتی وھممت أن أقول: أحق بھذا الأمر منک من قاتلک وأباک علی الإسلام۔ فخشیت أن أقول کلمۃ تفرق بین الجمع وتسفک الدم ویحمل عنی غیر ذلک، فذکرت ما أعد اللہ فی الجنان۔

حافظ ابن حجر رح کی اس شرح کے درج ذیل اقتباسات کی روشنی میں

اس روایت کا مطالعہ فرمائیں۔

قوله: (لقد كان من أمر الناس ما ترين فلم يجعل لي من الأمر شيء) مراده بذلك ما وقع بين علي ومعاوية من القتال في صفين يوم اجتماع الناس على الحكومة بينهم فيما اختلفوا فيه ــــــــ قوله: (فلما تفرق الناس) أي بعد أن اختلف الحكمان وهما أبو موسى الأشعري وكان من قبل علي وعمرو بن العاص وكان من قبل معاوية. ووقع في رواية عبد الرزاق عن معمر في هذا الحديث "فلما تفرق الحكمان" وهو يفسر المراد ويعين أن القصة كانت بصفين ــــــــ قيل: أراد عليا وعرض بالحسن والحسين (أي بقوله فلنحن أحق به منه ومن أبيه) وقيل أراد عمر وعرض بابنه عبد الله وفيه بعد لأن معاوية كان يبالغ في تعظيم عمر۔

(فتح الباری ج ٧ : ٤٠٣ - ٤٠٤)

اقوالِ سلف

ابن تیمیہؒ اہل السنۃ کے امتیازی اصول بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ويتبرؤون من طريقة الروافض الذين يبغضون الصحابة ويسبونهم وطريقة النواصب الذين يؤذون أهل البيت بقول أو عمل ويمسكون عما شجر بين الصحابة. ويقولون: إن هذه الآثار المروية في مساويهم منها ما هو كذب ومنها ما قد زيد فيه ونقص وغير عن وجهه والصحيح منه هم فيه معذورون إما مجتهدون مصيبون وإما مجتهدون مخطئون"

چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں:

"ثم إذا كان قد صدر من أحدهم ذنب فيكون قد تاب منه أو أتى بحسنات تمحوه أو غفر له بفضل سابقته أو بشفاعة محمد صلى الله عليه وسلم الذي هم أحق الناس بشفاعته أو ابتلي ببلاء في الدنيا كفر به عنه فإذا كان هذا في الذنوب المحققة فكيف بالأمور التي كانوا فيها مجتهدين إن أصابوا فلهم أجران وإن أخطأوا فلهم أجر واحد والخطأ مغفور لهم"

(فتاویٰ ابن تیمیہ ج ٣ : ١٥٤)

○ ایک اور جگہ لکھا ہے:

"وكذلك نؤمن بالإمساك عما شجر بينهم ونعلم أن بعض المنقول في ذلك كذب وهم كانوا مجتهدين إما مصيبين لهم أجران أو مثابين على عملهم الصالح مغفور لهم خطؤهم ــــ إلى قوله: ونعلم مع ذلك أن علي بن أبي طالب رضي الله عنه كان أفضل وأقرب إلى الحق من معاوية وممن قاتله معه"

= (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۳ : ۴۰۶، ۴۰۷)

○ ایک اور مقام پر فرمایا ہے:

"ولهذا كان علي وأصحابه أولى بالحق وأقرب إلى الحق من معاوية وأصحابه"

اس کے بعد اس کی تائید میں حدیث عمار اور قتال خوارج کا کہ اولیٰ بالحق ہونے والی روایت نقل فرما کر فرماتے ہیں:

"وهذا الحديث يدل على صحة إمامة علي ووجوب طاعته وأن الداعي إلى طاعته داع إلى الجنة والداعي إلى مقاتلته داع إلى النار وإن كان متأولا وهو دليل على أنه لم يكن يجوز قتال علي وعلى هذا فمقاتله مخطئ وإن كان متأولا أو باغ بلا تأويل وهو أصح القولين لأصحابنا وهو الحكم بتخطئة من قاتل عليا وهو مذهب الأئمة الفقهاء الذين فرعوا على ذلك قتال البغاة المتأولين، وكذلك أنكر يحيى بن معين على الشافعي استدلاله بسيرة علي في قتال البغاة المتأولين، قال: أيجعل طلحة والزبير بغاة؟ رد عليه الإمام أحمد فقال: ويحك! وأي شيء يسعه أن يضع في هذا المقام يعني إن لم يقتد بسيرة علي في ذلك لم يكن معه سنة من الخلفاء الراشدين في قتال البغاة"

بہ تعیین تصویب و تخطئہ کے قول کو ترجیح دینے سے پہلے دو قول اور نقل فرماتے ہیں۔ ایک دونوں کی تصویب کا۔ اس پر تبصرہ یہ فرمایا ہے کہ یہ قول اس پر مبنی ہے کہ ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے، جو بعض معتزلہ اور اشاعرہ کا مذہب ہے۔ دوسرا قول بلا تعیین ایک کی تصویب اور ایک کے تخطئہ کا نقل کرکے اس پر تبصرہ فرمایا ہے کہ یہ حضرت علیؓ کی خلافت میں توقف

مذہب پر مبنی ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:

"ولكن المنصوص عن أحمد تبديع من توقف في خلافة علي وقال: هو أضل من حمار أهله وأمر بهجرانه ونهى عن مناكحته ولم يتردد أحمد ولا أحد من أئمة السنة في أنه ليس غير علي أولى بالحق منه ولا شكوا في ذلك فتصويب أحدهما لا بعينه تجويز لأن يكون غير علي أولى منه بالحق وهذا لا يقوله إلا مبتدع ضال فيه نوع من النصب وإن كان متأولا، لكن قد يسكت بعضهم عن تخطئة أحدهما كما يسكتون عن ذمه والطعن عليه إمساكا عما شجر بينهم وهذا يشبه قول من يصوب الطائفتين ـــــ ولم يسترب أئمة السنة وعلماء الحديث أن عليا أولى بالحق وأقرب إليه كما دل عليه النص وإن استرابوا في وصف الطائفة الأخرى بالظلم والبغي ومن وصفها بالظلم والبغي لما جاء من حديث عمار جعل المجتهد في ذلك من أهل التأويل"

(فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۴ : ۴۳۶ ـــ ۴۳۹)

○ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"وأما أهل السنة فمتفقون على عدالة القوم ثم لهم في التصويب مذاهب لأصحابنا وغيرهم. أحدها: أن المصيب علي فقط. والثاني: الجميع مصيبون. والثالث: المصيب واحد لا بعينه، الرابع: الإمساك عما شجر بينهم مطلقا مع العلم بأن عليا وأصحابه هم أولى الطائفتين بالحق"

(فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۳۵ : ۵۱)

○ علامہ آلوسی رح فرماتے ہیں:

"فقد أخرج الحاكم وصححه والبيهقي عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما أنه قال: ما وجدت في نفسي من شيء ما وجدت في نفسي من هذه الآية يعني "وإن طائفتان الخ" أني لم أقاتل هذه الفئة الباغية كما أمرني الله تعالى يعني بها معاوية ومن معه الباغين على علي كرم الله وجهه"

(روح المعانی ج ۲۶ : ۱۵۱)

○ شیخ عبد العزیز الفرہاری رح نے تحریر فرمایا ہے:

"وقال أهل السنة: كان الحق مع [illegible] ..."

﴿ ۶ ﴾

في الاجتهاد فهو معذور مع أن كلا من الفريقين مأجور، ولا يجوز الطعن في أحد منهم للأحاديث المشهورة في مدح الصحابة والنهي عن سبهم، هذا هو الحق فماذا بعد الحق إلا الضلال"

(النبراس: ٣٠٢)

○ شیخ عبدالعزیز الفرہاروی صاحب "الناہیہ" میں حضرت معاویہؓ کے بارے میں وارد ہونے والے مطاعن کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں :

"التاسع: قول النبي صلی اللہ علیہ وسلم لعمار: تقتلك الفئة الباغية رواه مسلم، والجواب: إن أهل السنة أجمعوا على أن من خرج على علي كرم اللہ وجهه خاطئ على الإمام الحق إلا أن هذا البغي الاجتهادي معفو عنه"

(الناہیہ: ٣٨)

○ شیخ محی الدین محمد بن بہاء الدین (المتوفی ٩٥٦ھ) "شرح فقہ اکبر" میں فرماتے ہیں :

"وأيضا قول النبي صلی اللہ علیہ وسلم له: إنك تقتل الناكثين والقاسطين والمارقين يدل على حقيقته في الحروب الثلاثة، حرب يوم الجمل وحرب صفين وحرب نهروان ــــــ إلى قوله: وكذا قوله عليه السلام لعمار: "ستقتلك الفئة الباغية يا عمار!" نص على أن الحق مع علي وبغي معاوية"

(القول الفصل شرح الفقه الأكبر ص٢٩٠)

دوسری جگہ لکھا ہے :

"وكان الحق مع علي في الوقعات الثلاث أينما دار دار الحق معه، ليشمل به قوله عليه السلام: إنك ستقتل الناكثين والمارقين والقاسطين"

(ايضاً ص٣٠٥)

○ ملا علی القاری ؒ فرماتے ہیں :

"ومما يدل على صحة اجتهاده وخطأ معاوية في ما صح عنه صلی اللہ علیہ وسلم في حق عمار بن یاسر: "تقتلك الفئة الباغية""

(شرح فقہ اکبر ٧٩)

○ ایک اور جگہ فرمایا ہے :

"وكذا كان أمر طلحة والزبير حيث إنهما تبعاها فخرجا من اجتهاد وكانا من أهل الاجتهاد فخطأهما الله ثم أوجب الشهادة على قتال الجمل واستيصال شذاذ من مقدمي إمام المسلمين بالإراقة على موجب الفساد. فأما التوقف على الحاق أهل التأويل الفاسد بالصحيح في حق الإبطال والمؤاخذة فهو علم خفي فاز به علي كما ورد عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال له: "إنك تقاتل على التأويل كما قاتلت على التنزيل" ثم كان قتاله على التنزيل حق فكذا قتاله على التأويل حق وقد ندما على ما فعلا، وكذا عائشة ندمت على ما فعلت و كانت تبكي حتى تبل خمارها ثم كان معاوية مخطئاً إلا أنه فعل ما فعل عن تأويل فلم يصر به فاسقاً. واختلف أهل السنة والجماعة في تسميته باغياً فمنهم من امتنع من ذلك والصحيح من أطلق لقوله عليه السلام لعمار: "تقتلك الفئة الباغية"

(شرح فقہ اکبر ۸۲)

○ امام ربانی حضرت گنگوہی رح فرماتے ہیں:

"اور جو کچھ بعض سے حرب حضرت امیر رض یا کچھ اور بشریت سے تقصیر ہوئی، وہ خطائے اجتہادی تھی۔ اور جو امر بخطائے اجتہادی سرزد ہوتا ہے وہ بصورت معصیت ہے، نہ خود معصیت"

(ہدایۃ الشیعہ مشمولہ تالیفات رشیدیہ ص۵۵۰)

اسی کتاب میں ایک اور جگہ تحریر فرمایا ہے:

"اور معاویہ رض کا محاربہ حضرت امیر رض کے ساتھ ہوا، اہل سنت اس کو کبیرہ اور عصیان کہتے ہیں۔ خدا کرے کتاب اہل سنت کی دیکھی ہوتی، اہل سنت ان کو اس فعل میں خاطی کہتے ہیں، مگر معاویہ رض اس خطا کے سبب ایمان سے نہیں نکل گئے، جیسا تمہارا اور تمہارے سلف و اسلاف کا زعم ہے" (الیضاً ص۵۵۱)

○ امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رح نے اپنی کتاب "خلفائے راشدین" کے مشروع میں صحابہ کرام اور خلفائے راشدین کے بارے میں اہل سنت کے ضروری عقائد لکھے ہیں، ان میں [illegible] میں یہ لکھا ہے،

"دوسری: جنگ صفین۔ جس میں ایک جانب حضرت علیؓ اور دوسری طرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما تھے۔ اس لڑائی کے بارے میں اہل سنت کا فیصلہ یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ خلیفہ برحق تھے اور حضرت معاویہ اور ان کے حامی ساتھیوں والے باغی اور خطا پر تھے۔ مگر اس خطا پر ان کو برا کہنا جائز نہیں کیونکہ وہ بھی صحابی ہیں، صاحب فضائل ہیں اور ان کی یہ خطا غلط فہمی کی وجہ سے تھی اور غلط فہمی کے اسباب موجود تھے۔ ایسی خطا کو "اجتہادی" کہتے ہیں۔ جس پر اللہ کی شریعت کسی طرح مواخذہ نہیں ہو سکتا"

(خلفائے راشدین ص ۱۲)

○ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے لکھا ہے:

"جیسا کہ جمہور اہل سنت مانتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰؓ سے خلاف حضرت معاویہؓ کا اقدام شرعاً غلط اور معصیت تھا لیکن چونکہ اس کی بنیاد اجتہادی خطا پر تھی، اسی لئے ہم ان کو معذور سمجھتے ہیں بلکہ ان کو اجتہاد کے ایک اجر کا مستحق جانتے ہیں، حالانکہ اپنی غلطی سے انہوں نے کبھی رجوع نہیں کیا، اس پر قائم رہے اور دنیا سے اسی حالات میں چلے گئے۔ اور یہ اہل سنت کا مشہور متفقہ مسلک ہے"

(شریعت و طریقت کا تلازم ص ۲۲۹)

○ فقیہ العصر، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"خصوصاً مشاجرات صحابہ میں تو جس طرح امت کا اس پر اجماع ہے کہ دونوں فریق کی تعظیم واجب اور دونوں فریق میں سے کسی کو برا کہنا ناجائز ہے اسی طرح اس پر بھی اجماع ہے کہ جنگ جمل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ حق پر تھے اور ان کا مقابلہ کرنے والے خطا پر، اسی طرح جنگ صفین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ حق پر تھے اور ان کے مقابل حضرت معاویہؓ اور ان کے اصحاب خطا پر۔ البتہ ان کی خطاؤں کو اجتہادی خطا قرار دیا جو شرعاً گناہ نہیں۔"

(مقام صحابہ ص ۹۵)

چند سطروں کے بعد لکھا ہے:

" اس طرح ایک طرف خلفاء و اہل بیت کو بھی ہر طرح محفوظ کیا گیا تو دوسری طرف صحابہ کرام کے مقام اور درجہ کا پورا احترام بھی ملحوظ رکھا گیا اور مشاجرات صحابہ میں کف لسان اور سکوت کو اسلم طریقہ قرار دے کر اس کی تاکید کی گئی کہ بلا وجہ ان روایات و حکایات میں خوض کرنا جائز نہیں جو باہمی جنگ کے دوران ایک دوسرے کے خلاف ان سے متعلق نقل کی گئی ہیں "

(الفتنۃ ص ۹۷)

( )

بگرامی خدمت جناب سیدی و مولائی استاذ معظم مد ظلہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ [illegible]

حضرت والا اپنی صحت مبارکہ کے بارے میں اور اہل خانہ کی خیریت کے بارے میں اطلاع فرمائیں۔

ایک عالم صاحب کا استفتاء صحابہ رضی اللہ عنہم کے باہمی مشاجرات کے بارے میں آیا ہوا ہے۔ مولانا محمد اسحق صاحب سندیلوی اور مولانا قاضی مظہر حسین کے اس موضوع پر تحریری مباحثے کے بعد سے یہ موضوع اہل علم میں باعث بحث بنا ہوا ہے، یہ استفتاء بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

حتی الامکان بہت احتیاط سے جواب لکھنے کی کوشش کی ہے۔ مگر موضوع کی نزاکت کے پیش نظر حضرت والا سے استصواب کے بغیر اطمینان نہیں ہو رہا ہے۔ اسلئے سوال و جواب بغرض تصحیح پیش خدمت ہے۔

حضرت والا کے جواب کے بعد ہی مستفتی کو جواب دیا جائیگا

سوال و جواب کی یہ منسلکہ کاپی واپس بھیجنے کی ضرورت نہیں۔

ایک کاپی حضرت والد صاحب دامت برکاتہم کو بھی بغرض نظر ثانی دی ہوئی ہے۔

بندہ دعاؤں کا خواستگار رہے۔

والسلام

احقر [illegible] عفی عنہ

فیصل آباد

۱۷ - ۲ - [illegible]ھ

عزیز مکرم زید مجدہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ عافیت تمام ہے۔

الحمد للہ، آپ کا لکھا ہوا جواب پڑھا، ماشاء اللہ انتہائی مشکل اور دقیق مسئلے پر بڑی احتیاط سے قلم اٹھایا، بہت دل خوش ہوا۔ زادکم اللہ تعالیٰ علما وعملا وصلاحا ونفع بکم البلاد والعباد۔ آپ کی اکثر باتوں سے اتفاق ہے، البتہ [illegible] کے بارے میں سوال نمبر ۳ وعا وعہ کا جواب دیتے ہوئے جو کچھ تحریر فرمایا ہے، اس کی ایک اور تعبیر انسب معلوم ہوئی جس کی طرف حاشیے میں اشارہ کر دیا۔ فرق دراصل تعبیر کا ہے، لیکن اس سے اصل مسئلہ پر بھی اثر پڑ سکتا ہے۔ اس پر غور فرمالیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے حفظ وامان میں رکھیں۔ آمین ثم آمین

Scanned by CamScanner

رائے گرامی جناب حضرت مفتی عبد الواحد صاحب

الجواب باسم ملہم الصواب حامداً ومصلیاً

جناب کے ارسال کردہ جواب متعلقہ مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین میں چند باتیں قابل اصلاح نظر آئیں جو ذیل میں تحریر ہیں۔

۱۔ ص۱۵ جواب ۲

قلت : چونکہ اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں صحابہ کے اختلافات مبنی بر اجتہاد تھے اور مجتہد فیہا مسائل میں تخطیہ وتصویب قطعی نہیں ہوتا ظنی ہوتا ہے اس لئے مشاجرات صحابہؓ میں تخطیہ وتصویب کو قطعی کہنا درست نہیں۔ یہ تخطیہ وتصویب ظنی تھا ..... الخ

أقولُ : یہ تخطیہ وتصویب ظنی نہیں بلکہ قطعی ہے۔ نصوص اور اجماع امت اسکی مشعر ہیں اسی لئے یہ مسئلہ اصول وعقائد میں سے ہے، فروع میں سے نہیں۔

اسکا بیان یہ ہے کہ اگرچہ فریقین کا عمل اجتہاد پر مبنی تھا لیکن خارجی دلائل مثلاً تقتلک الفئۃ الباغیۃ، اخواننا بغوا علینا، حضرات طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما کا جنگ سے انحراف اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ندامت اور مزید برں امت کا اجماع واتفاق سے ثابت ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ واقعی اور قطعی طور پر حق پر تھے اور فریق مخالف اپنے اجتہاد میں واقعی اور قطعی طور پر خطا پر تھے۔

۲۔ ص۱۷ جواب ۳، ۴، ۵۔

قلت : "فقہی مسائل میں اسکی مثال یہ ہے کہ حنفیہ کے ہاں قے ناقض ہے، شافعیہ کے ہاں ناقض وضو نہیں۔ اب حنفیہ کے ہاں فی نفسہ حکم یہی ہے کہ قے کے بعد نئے وضو کے بغیر نماز پڑھنا گناہ ہے "الی ان قلت" اب پہلے مسئلے میں حنفیہ کے ہاں اس شخص کا یہ فعل فی نفسہ ناجائز ہے اگرچہ اسکو اپنے اجتہاد کی نسبت سے ناجائز کہیں تو یہ حدود سے تجاوز نہیں ہوگا۔"

اقول : حنفیہ کے نزدیک بھی فی نفسہ حکم یہ نہیں ہے بلکہ حنفی اجتہاد کے مطابق یا بلفظ دیگر ظناً یہ حکم ہے۔ اذا سئلنا عن مذھبنا ومذھب مخالفنا (ای فی الفروع) قلنا وجوباً مذھبنا صواب یحتمل الخطاء ومذھب مخالفنا خطأ یحتمل الصواب (درمختار)

۳۔ ص۱۸

قلت : "بغاوت کا معنی کسی امام کے خلاف خروج ہے۔"

اقول : بغاوت کی تعریف یہ ہے "امام حق کے خلاف ناحق خروج" بغاۃ کی تعریف درمختار میں یوں کی ہے ھم الخارجون علی الامام الحق بغیر الحق۔ اسی طرح رد المحتار میں ہے کہ

Scanned by CamScanner

صم کما فی الفتح قوم مسلمون خرجوا علی امام العدل ۔"

بغاوت کی اس تعریف کو پیش نظر رکھیں خاص طور سے قرون اولیٰ کے اعتبار سے تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خروج کو بغاوت شمار کرنا ممکن ہی نہیں ہوگا ۔ اور امام حق کے خلاف ناحق خروج ہمیشہ بغاوت ہی کہلائیگا ۔ البتہ یہ اگر بنا بر اجتہاد ہو تو خطائے اجتہادی ہونے کی بنا پر باغی گنہگار نہ ہوگا ۔ لیکن بغاوت کا تحقق تو بہر حال ہوا ۔

قلت : "بغاوت ایک علمی اصطلاح ہے جو کبھی باعث قدح ہوتی ہے اور کبھی نہیں"

اقول : مذکورہ بالا بیان سے واضح ہو چکا کہ بغاوت فی نفسہ موجب قدح ہے ۔ البتہ اگر مبنی بر اجتہاد ہو تو اس پر گناہ نہیں ہوتا اور ایک اجر کا وعدہ بھی ہے ۔ اور بندوں کے اعتبار سے محل طعن و قدح بھی نہیں ہوتا ۔ البتہ شارع کی جانب سے عتاب کا معاملہ ہو سکتا ہے لیکن ایسا بھی صرف ان لوگوں کے حق میں ہوتا ہے جنکو بارگاہ الٰہی میں خصوصی مقام حاصل ہو یعنی انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ۔ اور وہ اس بنا پر کہ انکو معاملہ کی اہمیت اور اپنے مرتبہ اور شان کے اعتبار سے زیادہ غور و فکر سے کام لینا چاہیے تھا اور اجتہاد میں مزید کوشش کرنی چاہیئے تھی ۔

مولانا تھانوی بیان القرآن میں فرماتے ہیں :

١ ۔ حضرت آدم علیہ السلام کے قصے میں " اگر کسی کو خلجان ہو کہ جو خطا تاویل سے ہو وہ اس قدر دارو گیر کے قابل نہیں ۔ جواب یہ ہے کہ جس قدر قرب و خصوصیت زیادہ ہوتی ہے اسی پر ملامت زیادہ ہوتی ہے اور اسی وجہ سے کہا گیا ہے حسنات الابرار سیئات المقربین اور حاصل اس کا یہ ہوتا ہے کہ تم نے زیادہ غور سے کیوں کام نہیں لیا ۔ (ص ١٢/١ مطبوعہ تاج کمپنی)

٢ ۔ مسائل السلوک میں قولہ تعالیٰ لولا کتاب من اللہ سبق لمسکم الخ جس خطاء اجتہادی پر اجر ملتا ہے اس پر عتاب اس قول کی دلیل ہے حسنات الابرار سیئات المقربین (ج ٢ ص ٢٩٢/١٤٠)

لتقتلك الفئة الباغیة میں بھی ایسا ہی عتاب ہے کہ اثر روئے عتاب باغی جیسا لفظ استعمال کیا گیا ۔

قلت : ایسے ہی جس کا معنی ہے ...... الخ

اقول : اس میں بھی مذکورہ بالا جواب جاری ہوگا

قلت : اس لئے بات وہی ہے جو اوپر کہی گئی کہ بغاوت وغیرہ کی تعبیرات زود حسین ہیں

[illegible] کبھی باعث سوء ادب ہوتی ہیں کبھی نہیں ..... الخ

اقول : یہ تعبیرات فی نفسہا باعث تنقیص تو ہیں کیونکہ کم از کم اتنی تو مشعر ہیں کہ مرتکب غلطی پر ہے ۔ آخر تقتلک الفئۃ الباغیۃ سے اور کیا مفہوم ہوتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ سنکر فرمایا کہ باغی تو وہ ہیں جو حضرت عمار رضؓ کو ساتھ لائے (اور ان کے قتل کے باعث ہوئے) البتہ چونکہ حضرت معاویہؓ سے ایسا اجتہاد کی بناء پر ہوا تھا لہٰذا ان کی تفسیق یا ارادۃً تنقیص و بے ادبی کرنا کسی طرح جائز نہیں ۔ البتہ شارع کو تو حق حاصل ہے کہ وہ عتاب کرسکے اور مجتہد کا تخطیہ کرسکے ۔ اور ضرورت کے موقع پر شارع کے اس تخطیہ و عتاب کو نقل کرنا تنقیص و سوء ادب نہیں ہے ۔

تنبیہ : بغاوت و جور جیسی تعبیرات ان حضرات کی خطاء اجتہادی کا بیان ہے ۔

ص ۱۹ جواب ۶

قلت : یہ کہنا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد نہیں تھے یا مجتہد تھے مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے کے اتباع کی بجائے اپنی رائے پر عمل کرنے کی وجہ سے (معاذ اللہ) قابل مؤاخذہ ہیں ۔ خلافِ حق اور غلط ہے ۔

اقول : یہ عبارت بذاتہا صحیح ہونے کے باوجود استفتاء میں موجود سوال سے مطابقت نہیں رکھتی ۔ تقتلک الفئۃ الباغیۃ سے معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا خروج ناحق ہوا اور حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا ۔ اجتہاد میں مزید کوشش فرماتے تو حق واضح ہو سکتا تھا ۔ لہٰذا تقصیر کی وجہ سے حق سے خطا ہوئی ۔ غرض حق یہی تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے موافق عمل کرتے جیسا کہ اوپر مذکور اثروں میں بھی حق کی نشاندھی کی گئی ہے ۔ لیکن اجتہاد میں اپنی شایان شان کوشش نہ کرنے کی بناء پر حق سے خطا ہوئی ۔ اگر ایسا نہ ہو تو ان کا خروج ناحق کے ساتھ کیونکر متصف ہو سکتا ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالواحد غفرلہ

۳۰ ذوالحجہ ۱۴۱۲ھ

Scanned by CamScanner

رائے گرامی حضرت مولانا مفتی عبد القادر صاحب دامت برکاتہم

ماشاء اللہ آپ کی حسن تحریر سے دلی مسرت ہوئی کہ آپ نے مناسب طریقہ سے اسکی تردید کی اور تردید کرنی ضروری بھی تھی، خالد کا مؤقف اگرچہ صحیح ہے، لیکن اسکے الفاظ اور عنوان میں سختی ہے مع صحابہ کرامؓ کے بارے میں "گناہ، سخت نافرمانی، اللہ کے حکم کی مخالفت، قصور از روئے نص قرآنی، درحقیقت بالکل ناجائز اور بطور اصل حکم باغی ہیں" کے الفاظ کہکر پھر ساتھ ہی کہدیتا ہے کہ یہ خطاء اجتہادی تھی اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ پہلے زخم کیا اور پھر مرہم لگا دیا۔ اس موحش عنوان کی کیا ضرورت ہے۔

اہل السنۃ والجماعت میں سے کسی نے سخت الفاظ استعمال کئے ہیں تو ہم اسکی توجیہ کریں گے لیکن ہم خود ایسے الفاظ نہیں کہیں گے۔

آپ نے ماشاء اللہ حضرت معاویہؓ کے مقابلہ میں حضرت علیؓ کے حق ہونے پر اچھے دلائل پیش کئے ہیں۔ اسی طرح کے دلائل اس پر بھی آجاتے کہ جنگ جمل میں جو واقعہ پیش آیا تھا اس میں بھی حضرت علیؓ حق پر تھے۔ حضرت عائشہؓ کی خطاء اجتہادی تھی۔ چنانچہ بندہ کو اتنی فرصت تو نہیں کہ اس کے دلائل مہیا کرے البتہ ایک روایت ذہن میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے خروج کیا تھا تو ایک مقام حواُب تک پہنچیں وہاں کے کتے بھونکنے لگے تو حضرت عائشہؓ بہت پریشان ہوئیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تم میں سے ایک عورت خروج کرے گی اور فلاں جگہ کے کتے اسکو بھونکیں گے، اس وقت آپ نے آنیکا ارادہ کیا مگر بعض حضرات صلح کے عنوان سے لے گئے، کبھی یہ واقعہ یاد آجاتا تو روتے روتے نڈھال ہو جاتیں۔ تفصیل البدایۃ والنہایۃ ج ۶ ص ۲۱۱ پر ہے۔

ماشاء اللہ آپ کی تحقیق سے اور حسن تحریر اور احتیاط پر رہنے سے دل خوش ہوا۔

اللہم زد فزد

عبد القادر عفی عنہ

از دار العلوم کبیر والا ضلع خانیوال

۱۳ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ

Scanned by CamScanner

حواشی از شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم

(۱) حضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت علیؓ اور اصحاب جملؓ کے درمیان میں تو یہ بات درست ہے، کیونکہ توقف کو اصل قرار دیا جائے تو خلافت راشدہ کا ایک حصہ مشکوک بن جاتا ہے جو خطرناک بات ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے صحابہؓ کے درمیان یا واقعہ حرّہ وغیرہ کے موقع پر اگر ان میں کوئی سکوت و توقف اختیار کرے اور اسی کو اصل قرار دے تو بظاہر اسمیں کوئی حرج نہیں۔

(۲) یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے بعض اوقات ایک مجتہد کوئی موقف اسلئے اختیار کرتا ہے کہ معارض دلائل اس پر واضح نہیں ہوتے اس لئے وہ مجتہد معذور ہوتا ہے لیکن بعد میں دلائل قطعیہ سے اسکی تردید ہو جاتی ہے، ایسی صورت میں اسکی نسبت سے تو مسئلہ ظنی تھا، مگر بعد کے لوگوں کے لئے ان کا تخطیہ قطعی ہو جاتا ہے گو ضروریات میں سے نہ ہونے کی بنا پر اس کا خلاف موجب کفر نہ ہو [illegible] مذہب بعض الصحابہ کمذہب ابی ذرؓ فی الاکتناز، ومذہب ابن عباسؓ فی مسح الرجلین، ومذہب ابی طلحہ فی جواز الصرف وغیرہ۔ اسکی دوسری تعبیر یوں بھی ممکن ہے کہ ظنی کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جس کا خلاف اب بھی شرعاً جائز ہو جیسے اکثر مسائل فقہیہ، دوسرے وہ جس کا خلاف اب شرعاً جائز نہ ہو۔ دوسری قسم قریب بہ قطعی ہوتی ہے [illegible]۔ [illegible] لگتا ہے کہ حضرت علیؓ و معاویہؓ کا اختلاف ابتداءً اجتہادی تھا، اور حضرت معاویہؓ کی نسبت سے ظنی تھا، لیکن بعد میں وضوح دلائل اور اہل سنت کے اتفاق کے بعد وہ یا تو قطعی ہو گیا، یا ظنی قسم دوم جس کا خلاف جائز نہیں۔

(۳) یعنی نفس الامر میں، لیکن مجتہدین کی نسبت سے حق متعدد ہے، لہٰذا مجتہد مخطی کی نسبت سے اس کا اجتہاد بھی حق ہے۔

(۴) لیکن اس اختلاف کو ظنی کے معنی میں جائز ہی کہا جائیگا، یہ نہیں کہ تھا ناجائز مگر گناہ مرتفع ہو گیا۔

(۵) جبکہ اس کا فعل اسکی نسبت سے جائز ہو گیا، یہ نہیں کہ فعل ناجائز تھا، مگر گناہ مرتفع ہو گیا۔

(۶) یعنی مجتہد مصیب کی نسبت سے۔

(۷) مجتہد مخطی کیلئے نہیں۔

Scanned by CamScanner

( )

(۸) صحیح بات یہ ہے کہ جنہوں نے حضرت عیسیٰؑ کی نسبت سے ایسا کہا ہے انہوں نے کوئی غلطی نہیں کی۔ اور جنہوں نے حضرت علیؓ کی نسبت سے کہا انہوں نے واقعی غلطی کی۔ مگر بظاہر سلف میں ایسا کوئی نہیں۔

(۹) یا خود اپنی نسبت سے بھی غلطی تھے۔